اے غوث مِرے

الف
اے غوثِ مرے
پروفیسر ڈاکٹر محمد امین عازم بیگ قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ الکریم

نام کتاب : اے غوث مرے

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر محمد امین عازم بیگ قادری دامت برکاتہم العالیہ

ایڈیشن : اوّل

طباعت : ربیع الغوث 1439ھ (جنوری 2018ء)

تعداد صفحات: 573

قیمت : -/1100 روپے

پروف ریڈنگ : محمد عارف ہاشمی قادری

ملنے کا پتہ:

جیلانی اینڈ کمپنی

زیر مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ لاہور

موبائل نمبر: 0324-4007011

www.quadirey.com

ج
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست

فہرست

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
37	شفّاف آئنے میں یہ کیا خط سے پڑ گئے	87
38	خوش ہوں کہ میری بات کا چرچا نہیں ہوا	89
39	چاہت میں انکی اور ہی سانچے ڈھل گئے	92
40	تونے وہ اپنی آنکھ کا سورج بجھا دیا	94
41	محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام رشتہ ہائے ازلی	96
42	تیور ابھی بدل گئے حالات کے کہاں	100
43	آغازِ دمِ نَو تھا جب وہ ابھی کمسن تھا	102
44	شب تھی تو تری شب تھی دن تھا تو ترا دن تھا	104
45	بے ربط مد و جزر کہ جذبات میں نہیں	106
46	وہ آدمی ہے مگر آدمی سے ڈرتا ہے	108
47	محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام شان اور آن	110
48	مجھ کو خود اپنے آپ سے کیا نفرتیں ہوئیں	112
49	ہرن کی آنکھ سے آنسو گرا ہے	114
50	دل اپنے آپ سے شرما رہا ہے	116
51	محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ جل جلالہ	118
52	ہر ضابطہ بجائے خود اک جھوٹ سا لگے	120
53	دل کھولتا ہے تیری تمنّا لیے ہوئے	122
54	کوئی بھی بات مخالف کی اب سہیں گے نہیں	124

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

تعارف مصنف

محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد امین عازم بیگ قادری دامت برکاتہم العالیہ یکم جنوری ۱۹۵۹ء کو چیچہ وطنی میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے انگریزی، عربی و ایل ایل بی کے ساتھ ساتھ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایم اے اسلامیات بھی ہیں۔ ۲۰۱۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ۱۹۸۴ء سے تاحال محکمۂ تعلیم میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے فرائضِ منصبی انجام دے رہے ہیں۔ آپ نہ صرف اُردو اور انگریزی ادب بلکہ فارسی و عربی ادب سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔

آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت کے کس پہلو کا ذکر کیا جائے اور کس کا ذکر نہ کرنے پر قناعت کی جائے۔ تصوّف سے محبت کا پہلو سب سے نمایاں ہے۔ پی ایچ ڈی کے لیے موضوعِ انتخاب ''صوفی ادب'' تصوف سے گہرے لگاؤ کا ہی سبب ہے۔ مصنف کے زیرِ نظر شعری مجموعے ''اے غوث مرے'' میں نہ صرف زندگی کے معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی پہلوؤں کا احاطہ انتہائی خوبصورت اور دل افروز انداز میں کیا گیا ہے بلکہ علمی پہلوؤں اور تصوف کو بھی نہایت دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

اوائل عمر میں ہی آپ قدوۃ الاولیاء حضرت سید محمد انور جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو کہ سلسلۂ قادریہ فاضلیہ کے جلیل القدر اولیاء میں سے ہیں، کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جبکہ اگست ۲۰۰۸ء میں پیکرِ حلم و لطافت حضرت پیرزادہ علی محمد صابری مدّ ظلّہ نے انھیں سلسلۂ عالیہ قادریہ منوریہ، چشتیہ صابریہ، چشتیہ نظامیہ، نقشبندیہ، اور سہروردیہ میں خلافت و اجازت سے نوازا۔ اسی طرح سے ۲۰۱۰ء میں سیدِ عالی برکات خواجہ غلام دستگیر شاہ قادری فاضلی دام برکاتہ نے انھیں قادریہ فاضلیہ کے علاوہ متعدد سلاسلِ طریقت میں خلافت و اجازت سے مشرف فرمایا۔

یوں تو آپ تمام اولیاءِ کرام سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں مگر عشقِ حضور غوث الثقلین علیہ السلام میں مستغرق نظر آتے ہیں۔ جس کا اظہار ایک جگہ پر یوں فرماتے ہیں۔

مری خلوتوں میں بھی آن ہے مری جلوتوں میں بھی شان ہے
مرے گوشہ گوشۂ قلب میں مرے غوث گوشہ نشین ہیں

محمد فیصل رضاؔ قادری

بس... کچھ لفظ

ڈاکٹر محمد امین عازم بیگ قادری کا زیرِ نظر مجموعہ میرے ہاتھ میں ہے۔ میری خوش قسمتی کہ مجھے اسے پڑھنے اور اس کے اسرار و رموز سے تھوڑی بہت واقفیت کا موقع ملا۔ میں جتنا اس علم کے سمندر بیکراں میں غوطے لگاتی گئی اتنی ہی بار ایک نیا موتی میرے ہاتھ لگتا گیا۔ اب میں انگشت بدنداں ہوں کہ قافیے اور ردیف کے سحر میں لپٹے اس خزینے پر کیا لکھوں، کیسے لکھوں؟ تو سوچا بس! کچھ لفظ ہی لکھ پاؤں گی اور میرا محدود علم زیادہ تفصیل میں جانے سے گریز کرتے ہوئے معذرت کر لے گا۔

''اے غوث مِرے'' میں حضرت صاحب نے نہ صرف شعری صنف کو وسعت دی بلکہ اپنی پاکیزہ سوچ اور لفظوں کے خوبصورت تال میل نے عجب ساسماں باندھ دیا۔ عنوان سے پہلا تاثر یہ مِلا کہ شاید میں اس کی زبان اتنی نہ سمجھ پاؤں جیسی کہ کسی عام غزل یا نثری اندازِ بیان کی ہوتی ہے۔ لیکن مطالعہ کرتی گئی اور حیرتوں کے دَر وا ہوتے گئے۔ اتنی سہل زبان، تسلسل اور چاشنی شاید ہی آج کل کسی شعری مجموعے میں نظر آئے۔ ان کے کلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ سامنے آئی کہ بھاری بھرکم الفاظ کا سہارا لینے کے بجائے انتہائی نرم و لطیف اندازِ بیان اختیار کر کے پڑھنے والوں کو آسانی مہیا کی گئی ہے اور لطف یہ کہ ہر شعر اپنے اندر ایک جہانِ معانی چھپائے ہوئے ہے۔
گفتگو کا انداز ذرا ملاحظہ ہو۔

لفظوں کی عبارت ہے مطالب کے بھنور ہیں — بات ایک ہے پہچان کے معیار بہت ہیں
اس دھند میں اب دیکھے کوئی دیکھے تو کیا کیا — قیمت لگے اذہان ہیں افکار بہت ہیں

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

بیکار پڑے رہنا، لالچ کی ہوا جینا — خوں بیچ کے کھا جانا دستور ہمارا ہے
کیا قوم ہے کیا مِلّت، جمہور سے کیا رغبت — دولت ہے تجوری ہے سرمایۂ یغما ہے

اللہ اللہ! اس اندازِ تکلم پر یہ فکری سوچ اور شعر کی کیفیت۔ گویا پڑھنے والا ہر لفظ کو اپنے ہی دل کی واردات خیال کرتا ہے۔ معاشرے کے تند و خیز، بے رحم تھپیڑے اور انساں کا حیواں ہو جانا اپنے آپ میں ایک حادثہ ہے مگر جس تحمل، نرم خوئی سے محمد امین عازم بیگ نے معاشرے کی بدصورتی کو خوبصورتی سے بیان کیا وہ قابلِ تحسین ہے۔

اُمید واثق ہے کہ یہ شعری مجموعہ قاری کو یوں اپنے سحر میں گرفتار کرے گا کہ ''چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی'' کے مصداق ایک بار اسے شروع کرنا قاری کے ہاتھ میں ہو گا مگر باقی فیصلہ یہ کتاب کرے گی۔

دعا گو: عافیہ مقبول جہانگیر [(سب-ایڈیٹر (اُردو ڈائجسٹ)]

انتساب

وہ بازگشت کہ اب روحِ جاودانی ہے
وہ رودِ خشک کہ اب بحرِ زندگانی ہے
وہی جو کوثرِ تخلیق و صدبیانی ہے
اُسی کے نام جو پروینِ نومعانی ہے

شاعری شعور کا وہ تخئیلی عمل ہے
جو حقیقت اور جمالی طرفگی کے
ساتھ جلالی صداقتوں کا
حامل ہو۔

عازم بیگ قادری

اے غوث مرے

اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو
فیضان تمامی سے میرا ظاہر باطن آباد کرو
نورانی فیض مدامی ہو اتمام میں ایسا داد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

احوال کچھ ایسے بگڑے ہیں صحت ہی نہیں صحت ہی نہیں
حالات کچھ ایسے بدلے ہیں فرصت ہی نہیں فرصت ہی نہیں
اپنے اس بندۂ عاجز کو ہر مشکل سے آزاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

رگ رگ میں نفس کی جرأت ہے قطرہ قطرہ دل لت پت ہے
خواہش کے دیو سمندر میں طوفان انگیز حرارت ہے
طاغوت کی اندھی طاقت کو مرے اندر سے برباد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

تشکیک کے کانٹے چبھتے ہیں نومیدی نے ڈیرے ڈالے ہیں
اٹھتی ہوئی تازہ امنگوں کے دیپک بھی بجھنے والے ہیں
اپنے انوارِ غوثیت سے میری مہا ایجاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

ظاہر میں مرے باطن میں مرے تاریک فضائیں چھائی ہیں
مایوسیوں کی بے نام بلائیں ہر صورت گھر آئی ہیں
اے روشنیوں کے امین و مکیں مجھے تام ضیا آباد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

نادان ہوں اپنی جہالت میں بہکا بہکا سا رہتا ہوں
حیران و پریشاں، آشفتہ، سہما سہما سا رہتا ہوں
عرفان و ولایت علم و ہدیٰ مجھ بندے کو بھی پرشاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

ناقص ہوں بالکل جاہل ہوں پر آپکا عاجز بندہ ہوں
ناکارہ ، بودا ، کاہل ہوں پر آپکا عاجز بندہ ہوں
اک نگہِ عنایت ہو مولا! تکمیل و کمال ایراد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

نا اہل سہی بے تاب سہی پر آپ کے جیّد ہاتھ میں ہوں
بے رنگ سہی بے آب سہی پر آپ کے جیّد ہاتھ میں ہوں
جیسا بھی ہوں جو کچھ بھی ہوں حاضر ہوں سعادت زاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

بے جان ہوں ٹھنڈا مردہ ہوں ہر پہلو خاص نکما ہوں
بے چارہ ہوں آوارہ ہوں خوش ہوں کہ آپکا شیدا ہوں
اے مان مرے! مرا مان رکھو مجھے خاص اپنا دلداد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

آلودگیوں میں لتھڑا ہوں پالودگیوں میں اُلجھا ہوں
معلوم نہیں کیا کرتا ہوں بیگانہ ہوں یا اپنا ہوں
اِس بے بصری کا علاج کرو مجھے ہر پہلو ارشاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

دل ہے تو تیرہ ہے جاں ہے تو اجڑی اجڑی ہے
مِرا دِن گہری پرچھائیں ہے مِری رات گھمبیر اندھیری ہے
مہتاب کرو، خورشید کرو مجھکو تنویر اُفتاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

جسموں کی حرارت کھینچتی ہے اور روح کی چکّی چلتی ہے
کبھی اِس پہلو کبھی اُس پہلو اِک آگ دھویں کی جلتی ہے
مجھ بے بس پر اِک خاص توجہ ہو رفعِ اضداد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

باطن میں بھی محض سیاہی ہے ظاہر میں بھی تاریکی ہے
کچھ سمجھ نہیں آتا مجھکو کیا کیا ہے عجب باریکی ہے
اپنی نورانیت سے مِرا ظاہر باطن انشاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

ابہام کے بادل چھٹ جائیں اُلجھاؤ کی آندھی اُتر جائے
دن چہرہ چہرہ چمک اٹھے راتوں کی زلف بکھر جائے
روشن خورشیدی صبحوں کو بندے کیلئے ایراد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

آشفتہ خیالی کی ناگن پہلو در پہلو جل جائے
ظلمات کا طوفانی تودہ ہر رنگ برنگ پگھل جائے
تطہیر کرو مجھے پاک کرو حکمت سے مجھے اِخلاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

سرکشیاں مری برباد کرو اور اپنا خاص انعام کرو
رحمت سے خاص توجہ ہو گونہ گونہ اکرام کرو
اِخلاص کے گوہرِ یکتا دو پہلو پہلو مُنقاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

دامانِ شکیبائی چھُوٹا اور صبر کا یارا بھی نہ رہا
فریاد مِری بھی سُن لیجو! مرے مولا! ہارا مَیں ہارا!
مرتے مرتے اِک عمر کٹی مجھے صید سے اب صیاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

بدگو موت اپنی مر جائیں طعنوں کی زبانیں کٹ جائیں
بندے کا مان سلام رہے طاغوت کے لشکر پھٹ جائیں
بخشش ہو خاص عنایت ہو مجھے اپنی بزم میں صاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

مرا سینۂ تنگ کشاد کرو دامن دامن آباد کرو
خوشحال کرو دلشاد کرو ہر کیف متیں بنیاد کرو
فتح و قوت مجھے ارزاں ہو ابداً میرا اِفراد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

امرت میں نہلا نہلا کر مجھے اپنا بنا لو میرے پیا!
تفریق کے پردے چاک کرو مجھے خود سے ملا لو میرے پیا!
تقریب کے کنگن پہنا کر مرا اجڑا گھر آباد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

دوری کے زمانے تو بہت ہوئے اب وصل کا دور بھی ہو جائے
مرے تکتے تکتے آئینے میں تیرا رنگ اتر آئے
آ قُرب کی سیج پہ بیٹھ پیا مرے سنگ سجن پرِواد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

دربار ترا، سرکار تری، ہر بات تری، ہر شان تری
مقبولِ نبی محبوبِ خدا پل پل تیرا ہر آن تری
اپنے اس عازمؔ مردہ پر اِک نگہِ حیات ارشاد کرو
اے غوث مرے اے غوث مرے امداد مری امداد کرو

حمد

تری شان شانِ سلیم ہے ترا نام سب سے عظیم ہے
ترا علم علمِ صمیم ہے تری ذات ذاتِ قدیم ہے

مرا انگ انگ گواہ ہے رگ وپے میں میرے گناہ ہے
پہ ترے کرم پہ نگاہ ہے ترا لطف لطفِ عمیم ہے

جو ڈھلا ہوا تھا غرور میں وہ جھکا ہے تیرے حضور میں
کہے جا رہا ہے سرور میں تُو عظیم ہے تُو عظیم ہے

جسے اپنے علم پہ ناز تھا کوئی راز جس پہ نہ راز تھا
وہ بھی محوِ عجز و نیاز تھا تُو خبیر ہے تو علیم ہے

مری سانس ہے ترے ہات میں مِری بات ہے تری بات میں
ترا نور ہے مری رات میں تو غموں میں میرا حمیم ہے

جہاں سازگار نہ ہو ہوا وہاں عزم ہے ترا آسرا
نہیں تجھ سا کوئی بھی رہنما تُو نصیر ہے تُو کریم ہے

مرے ہر خیال کی جان تُو مرے ہر کمال کی آن تُو
مرے فن میں حسنِ بیان تُو مِرے دل میں تُو ہی مقیم ہے

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کہنی ہے کوئی بات تو کہیے اصول کی
خالق کی اور اُس کے دُلارے رسول کی

اوندھے گرے بُت ارغنِ توحید گونج اٹھا
کیا ساعتِ سعید تھی ان کے نزول کی

پختہ یقیں ، خلوصِ دل ، ایمان استوار
محفل میں ان کی شرط یہی ہے شمول کی

شمعِ ہدیٰ وہ پیکرِ نوری وہ پیشوا
چھٹتی ہے ان کے نور سے ظلمت جہول کی

اپنی رضا کو ان کی رضا میں غریق کر
صورت یہی ہے ایک خدا کے حصول کی

جو عرضداشت بھی ہوئی انکی سبیل سے
ربِ کریم نے بعنایت قبول کی

اُن پر درود بھیجئے عازمؔ گھڑی گھڑی
اِک قاعدہ یہی ہے یہی بات اصول کی

چل پڑے جب کسی رہگذر کیطرف
منزلیں دوڑتی ہیں بشر کیطرف

گردشوں کیلیئے گردشیں فرض ہیں
رات چلتی ہے طبعًا سحر کیطرف

جھاڑیوں سے لگیں پھوٹنے مشعلیں
اُجڑے رستے بلاتے ہیں گھر کیطرف

زندگی رنگ ہے رنگ پانی میں ہے
ہر زمانہ ہے اندھے سفر کیطرف

دیکھنا اب کے بجھتے ہیں کیا آبلے
رخ ہوا بحر کا جلتی بر کیطرف

نیلی نیلی زمیں پیلا پیلا فلک
کیا بگولے اُٹھے خشک و تر کیطرف

پھیلا پھیلا گیا دامنِ احتیاج
کھنچتا کھنچتا گیا فرد ڈر کیطرف

کج ہوئے زاویے مرکزیت گئی
آنکھ ہے زیر پر نئے زبر کیطرف

کَل میں کیا خیر تھی آج کیا شر ہوئی
اپنے سب خیر و شر ماحضر کیطرف

راہ کی بات کیا رسم کا ذکر کیا
ایک رجحان ہے سیم و زر کیطرف

لمحہ لمحہ کی قدریں ہوئیں معتبر
خیرہ نظریں لگی ہیں صُوَر کیطرف

آپ سے ہجرتیں، غیر سے صحبتیں
کیا اٹھا ہے قدم کرّ و فر کیطرف!

اب نہ ظاہر رہا ہے نہ باطن ہمیں
اِک سفر کاش ہو راہبر کیطرف!

تیرگی سے حَذر! نور ہے مقتدر
سیدھا رخ پھیر صاحب نظر کیطرف

عازمِ بندۂ غوثِ اعظم سے پوچھ
نور کیا ہے ، کہاں ، کس اثر کیطرف

بے سمت ترقی بھی عجب رنگِ وبا ہے
پھیلے تو بلا خیز ، نہ پھیلے تو فنا ہے

کیا رنگ دکھاتی ہے مجھے گردشِ دوراں
ہنستا ہوں اگر صبح ، سرِ شام بُکا ہے

حالات کی شاخوں کو میسر نہیں اِثبات
آخر کو گرا ہے جو کوئی حد سے بڑھا ہے

زندوں نے کہاں لمحۂ ممکن ابھی دیکھا
اموات کے پردوں سے لہو جھانک رہا ہے

کچھ اپنی تدابیر ہی غیروں کے نگیں تھیں
ورنہ سفرِ شام ستاروں کی بِنا ہے

ظاہر میں بھی تاریک ہیں باطن میں بھی تاریک
جینے میں کوئی لطف نہ مرنے کا مزا ہے

عازمؔ کوئی رستہ ، کسی منزل کا تعیّن
بے راہبری میں یہی دِل راہنما ہے

ہر چیز اپنی آخری حد پر دکھائی دے
نقطوں کا ناچ رنگ کا محور دکھائی دے

حدت کی سودا بازیاں شدت کی گرمیاں
صورت کے سنگ خون کا خاور دکھائی دے

کیا نظم کیا نظام ہے قربان جائیے!
خادم خود اپنی ذات میں دفتر دکھائی دے

ہر سمت نفسا نفسی کا عالم خدا خدا !
دنیا ابھی سے عرصۂ محشر دکھائی دے

ہر جیب ایک ہاتھ کی سازش میں مبتلا
ہر دوسرا خود آپ سے بہتر دکھائی دے

نعروں کی بھینٹ چڑھ گئی تعبیرِ انقلاب
موجِ سراب عینِ سمندر دکھائی دے

جنجال ہو فراغ ہو گھر چاہیے تو ہو
تَر ہو تو اپنی آنکھ کا چکّر دکھائی دے

مذہب کی بات ہو کہ سیاست کی گفتگو
عازم ہر ایک آدمی کٹّر دکھائی دے

دشمن کھڑا ہے ہاتھ میں دشنہ لیے ہوئے
بیٹھا ہوں سادگی سے سر اونچا کیے ہوئے

بجھتی ہے پیاس دشت میں کسطرح کیا خبر
مدّت گذر چکی مجھے زمزم پیئے ہوئے

وحشت کا روپ دھار گئے امن و آشتی
قوموں کے درمیان عجب تصفیئے ہوئے

کیا کیا سوال اٹھائے گئے آنکھ آنکھ پر
کیا کیا جواب آئے کسی کے دیئے ہوئے

اپنی ہر ایک چال میں تھا غیر کا شعور
آنکھیں اگر اٹھائیں تو کج زاویئے ہوئے

کاٹی ہے زندگی کی ہر اندھیری رات بھی
شمعِ خیال دل میں فروزاں کیے ہوئے

عازمؔ کہاں متاعِ کمال اپنے رنگ میں
بیٹھے ہیں تار تار لیے بِن سیئے ہوئے

محمد جانِ ہمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

پیکر ہو مری جان تمہیں صدق و صفا کے
پیغمبرِ کامل ہو تمہیں دینِ خدا کے

خورشیدِ دو عالم ہے اگر ذاتِ الٰہی
مہتابِ منوّر ہو تمہیں ارض و سما کے

سر سبز تمہیں سے ہے گلستان یقیں کا
شاداب تمہیں سے ہیں سب اشجار وفا کے

کیا چہرہ کشائی ہے تمہاری کہ جہاں پر
اسرار کھلے وسعتِ تسلیم و رضا کے

وہ خاک تمہارے درِ اقدس کی ہے جس سے
پاتے ہیں شفا آن میں بیمار سدا کے

عازم کا ہو ایمان تمہیں جان تمہیں آن
سکھلائے تمہیں نے اُسے آئین بقا کے
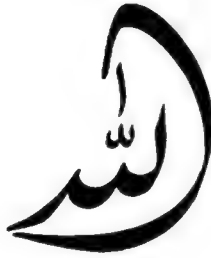
دل میں کہتے ہو اتر جاؤ ، اتر جاؤنگا
گھر سے نکلا ہوں اگر لوٹ کے گھر جاؤنگا

زندگی پھر بھی کسی موڑ پہ دیتی ہے فریب
دشتِ بے راہ میں سرگرداں کدھر جاؤنگا

تُو مرے بحر کو ظلمات سے تشبیہ نہ دے
ڈوب جاؤنگا تو لمحوں سے گذر جاؤنگا

میرے رہنے کیلئے چاندنی رات اچھی نہیں
خوگرِ ہجر ہوں سائے سے ہی ڈر جاؤنگا

لذتِ رَم نے دیا ہے مجھے سامانِ وجود
بیٹھ جاؤنگا تو مٹی میں اتر جاؤنگا

کیا غرض بام و درِ شہر کی آرائش سے
میں مسافر ہوں کسی جگہ ٹھہر جاؤنگا

کسی سنگھم پہ نہ رک پائے گی حالات کی رو
ایک منظر نظر آئیگا جدھر جاؤنگا

عازمؔ آفاق سے پیوند ہے اَن ٹوٹ مرا
پھول ہوں صحنِ گلستاں میں بکھر جاؤنگا

رنگوں کے انتظار میں دریا بہا گئے
سیرابیوں کی لَے پہ لہو گنگنا گئے

کچھ ایسا تیز دھار کرن کا وجود تھا
سورج اٹھانے آئے سمندر بجھا گئے

وہ دوست جن کی دوستی پر ناز تھا مجھے
کس حسنِ اتفاق سے آنکھیں چھپا گئے

تُو جان ہے جہان ہے ہستی کی شان ہے
محفل سے کیا گئے وہ جو تیرے سوا گئے

ہم تشنگانِ ھُو کو بجز ھُو غرض نہیں
صاحب لِقا وہی ہیں جو صاحب لِقا گئے

فردا پہ کیا جیئے اگر امروز کچھ نہیں
وعدہ نہیں جو ہو چکا بلکہ جو پا گئے

ایسا ہے وہ کہ بنتی نہیں اُسکو پائے بن
وہ ہے تو سب ہے سب میں قرینے سما گئے

غیر از فنا نہیں ہے بقا، جُز فراق وصل
باقی وہی رہے ہیں جو خود کو مٹا گئے

اس کارگاہِ شوق میں دعووں کی جا نہیں
لوگ آئے اپنے نفس کے قصّے سنا گئے

عازمؔ بس ایک ناز پہ قائم ہے کشمکش
جب لوگ جا چکے تو وہ محفل میں آ گئے

چمن میں، پھول میں، سورج میں، چاند تارے میں
ترا ہی حُسن نہاں ہے ہر اِستعارے میں

جو دِل پہ بیت چکی خوف کی حراست سے
وہ روشنائی بنی آس کے شمارے میں

حیات کیا ہے ؟ کشاکش کی داستانِ عظیم
بس ایک صبر ہی لذت ہے کھیل سارے میں

خوشی دمکنے کی ہے اور نہ غم ہی بجھنے کا
چمک رہی ہے نئی زندگی شرارے میں

مِلی ہے آگ میں جل کر مجھے حیاتِ دوام
مجھے تو نفع نظر آئے ہے خسارے میں

تری رضا ہے کہ تیرائے یا ڈبو ڈالے
محیطِ کون و مکاں ہے ترے اجارے میں

نہ حرصِ مرتبہ عازمؔ نہ طمعِ دولت ہے
بس آرزو ہے گذرتی رہی گذارے میں

الجھا ہوں اپنے آپ سے زنجیر کیطرح
پر تولتا ہوں بیٹھتے نخچیر کیطرح

وہ لفظ ہوں کہ جس کے معانی ہیں بیشمار
گرچہ پڑھا گیا مجھے تقریر کیطرح

خوابوں کے رنگا رنگ جزیروں کے رقص پر
سر جھوم جھوم پھوٹے ہیں نکسیر کیطرح

ہر خواہش ایک سیلِ کشاکش کی دوڑ ہے
تقدیر ہے بجھی ہوئی تحریر کیطرح

ہر چند ہست و بود میں ہے کاوشِ امید
تخریب کب ہوئی کبھی تعمیر کیطرح

بے اختیار عید ہے بے اختیار دید
ساکت ہیں سامنے پڑی تصویر کیطرح

عازمؔ کسی کی سمت اٹھائے نظر نہ دیکھ
اوپر فلک زمیں ہے گراں گیر کیطرح

بات ایک ہی تھی لفظ بدل کر کہے گئے
پھر اس پہ اختلاف کے جالے بُنے گئے

الجھا کیے معاملے صُورت کے رُوپ میں
تمیز کے حجاب میں اچھے بُرے گئے

فرصت نہیں کشاکشِ امکان سے کہیں
آمد کے ساتھ رفت کے زینے چُنے گئے

ناکردۂ کمال کی نو اِضطرابیاں
لمحوں میں سانس سانس کے تیور چلے گئے

رنگوں کی نفرتوں میں محبت کے دام ہیں
تقدیر کے بہشت لہو پر لکھے گئے

بدلا نہیں نظام فضا کا یونہی کہیں
پَردار تھے کچھ ایسے کہ بے پَر کیے گئے

عازمؔ قبولِ جان سے ہے رنگ کا نزول
مٹّی کی ساکھ سیج پہ موتی جڑے گئے

علیہ الصلوٰۃ والسلام
محمد رحمت رحمت

جب سے ان کی نگاہِ کرم ہو گئی
کتنی آسان راہِ عدم ہو گئی

اُن کی آمد سے نقشہ ہی بدلا گیا
زندگی پے بہ پے محترم ہو گئی

معجزہ اُن کی ہجرت کہ ہر سلطنت
یک بیک اُن کے زیرِ قدم ہو گئی

اُن کے دامن سے پھوٹیں نئ مشعلیں
روشنی روشنی ہر قدم ہو گئی

رحمتیں بھی سوا نعمتیں بھی سوا
اُنکی بخشش سبھی کو اعم ہو گئی

موج در موج دامانِ جوہر کھلا
اُنکی ہر بات بحرِ حِکَم ہو گئی

کون ہے جس پہ اُنکی عنایت نہیں
درجہ درجہ عطا مُرتَسَم ہو گئی

عازِما مدحتِ سرورِ کائنات
خوش رہا جس کے ہاتھوں رقم ہو گئی

وجودِ ارض و سما شاہِ انبیا کیلئے
نمودِ ظاہر و باطن ہے مصطفیٰ کیلئے

جبینِ خضر بھی جھکتی ہے اُنکی چوکھٹ پر
وہ رہنما ہیں زمانے کے رہنما کیلئے

انہیں کا دستِ مبارک یتیم کے سر پر
انہیں کا دستِ عطا بیکس و گدا کیلئے

وہی گدا کیلئے ہیں نمونۂ نادر
وہی مثال ہیں ہر ایک بادشا کیلئے

انہیں کے علم سے روشن ہے سینۂ عالم
انہیں کا اسوۂ حسنہ ہے پارسا کیلئے

انہیں کی شانِ جلالی حُنین و بدر میں تھی
انہیں کی شانِ جمالی ہے بینوا کیلئے

وہی مقربِ حق ہیں وہی رسولِ کریم
وہی وسیلہ ہیں ہر آہِ نا رسا کیلئے

اُنہیں کی شان میں قرآن کا نزول ہوا
وہی چراغِ طریقت ہیں اولیا کیلئے

انہیں کو بخشا گیا ہست و بود کا عرفان
وہ منتخب ہیں عنایاتِ کبریا کیلئے

شرف انہیں کو ملا سیرِ عرش کا عازم
وہی ہیں معتبر و محترم خدا کیلئے
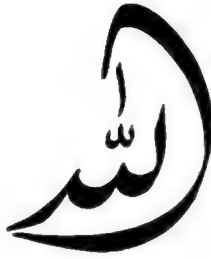
41
الله
وفورِ زندگی پھیلے ہوئے کردار کی خواہش
رہی ہے غم کی بیتابی میں بھی زِنہار کی خواہش
غنودِ افراتفری میں مناظر کی فراوانی
کبھی اقرار کی خواہش کبھی انکار کی خواہش
حصولِ مدعا کی چاشنی، جذبِ خوش انگیزی
ہزاروں تلخیوں پر بھی مزید آزار کی خواہش

بہت خاموشیاں جینے کی لذت چھین لیتی ہیں
لہو میں کارگر ہے رنگ بھر اظہار کی خواہش

طلوعِ صبحِ فطرت ہے نظامِ آئنہ بندی
ثبوتِ جذبۂ دل کیا ہے؟ استمرار کی خواہش

جنازے ہیں کہ دم لینے نہیں دیتے کسی کروٹ
کسی دل میں رہی ہے اب کہاں گھر بار کی خواہش

ہمارے سامنے اک دشتِ لا محدود ہے عازمؔ
مسافت کی نزاکت مسئلہ رفتار کی خواہش

اس شہر میں ہمارا کوئی آشنا نہیں
بھٹکی ہوئی نگاہ ہے لب پر صدا نہیں

دنیا کا رکھ رکھاؤ ہے فرقِ بلند و پست
قدرت کی آنکھ میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں

ہر چہرہ اجنبی ہے مرے گرد و پیش میں
اپنے سوا کسی کو میں پہچانتا نہیں

سوچیں کہ دل پہ نقش تھیں مدت سے مٹ گئیں
تیرا خیال ہے کہ مجھے بھولتا نہیں

مدت سے میرے رُخ کے وہی خط و خال ہیں
وہ آئنہ ہے تو کہ کبھی ٹوٹتا نہیں

دل اپنے پیچ و تاب میں ہے کعبۂ یقیں
اچھی وہ بات ہے جو ابھی برملا نہیں

ہونے کا انبساط ہے سرمایۂ حیات
مدت سے دیکھتے ہیں ابھی کچھ ہوا نہیں

عازمؔ یہ قبض و بسط کا عالم عجیب ہے
اچھا کہو نہیں ہے برا ہے برا نہیں

اللہ

نیچے مرے زمین ہے اور اوپر آسماں
اک اجنبی سی اوٹ ہے تینوں کے درمیاں

اپنی خودی کا قتل گوارا نہیں ہمیں
کیا مہربان ہیں کہ نہیں ہم پہ مہرباں

پہلو لگا بدلنے زمانہ کچھ اس طرح
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر بند ہے زباں

آتے ہی رات دن کا فسانہ بکھر گیا
یک لخت بند ہوگئیں گھر گھر کی کھڑکیاں

یکسر بدل گیا ہے زمانے کا رنگ ڈھنگ
پہلے سی ہے زمین نہ پہلے سا آسماں

سوتے میں بھی اک آنکھ تھی عازمؔ کھلی ہوئی
دل پر برستی ہی رہیں شب بھر تجلّیاں
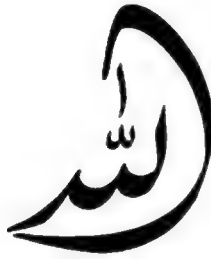
چہروں کے فاصلے ہیں کوئی درمیاں نہیں
رستہ نہیں ، نشان نہیں ، کارواں نہیں

اک انتشارِ فکر ہے ، بے سمت گفتگو
سائل نہیں ، سوال نہیں ، امتحاں نہیں

عوّام حَیص بَیص کے پندار کا شکار
الفت نہیں ، نظام نہیں ، حکمراں نہیں

لٹتے ہیں چیختے ہیں کوئی پوچھتا نہیں
پہرے ہیں، چوکیاں ہیں، مگر پاسباں نہیں

میں پھول ہوں مرا تو مقدر ہے ٹوٹنا
تُو نخلِ برگزیدہ ہے کیوں جاوداں نہیں

عازم خروشِ صبح نہیں، سوزِ شام ہے
مُردوں کے درمیان کوئی ترجماں نہیں

بکھرے لہو میں انگ کسی بے گناہ کے
جھگڑوں میں رنگ بھرتے گئے خوامخواہ کے

فصل آشنائی چاہیے کھلیان کیلئے
چلتے ہیں دھوپ چھاؤں پرے ماہ وسال کے

ہر ارتکاز شہرتِ بے نام ہو گیا
کٹتے رہے ہیں زاویے اپنی نگاہ کے

ٹوٹے ہوئے تھے ، ایک رمق چیختی رہی
پاؤں کہ ڈگمگاتے گئے خیر خواہ کے

منزل کے انتخاب نے رسوا کیا ہمیں
پتھر اٹھا کے کون چلے راہ راہ کے

گنتی کے چار دن ہیں زمانے کے سامنے
اترے ہیں چار مرثیے کیا واہ واہ کے

عازمؔ ہم اپنی روشنیاں اوڑھتے رہے
سائے طویل ہوتے گئے روسیاہ کے

محمد نورِ سراپا نور علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَدْ جَآءَکُم میں ذکر ہوا تیرے نور کا
لولاک تذکرہ تری شانِ ظہور کا

تیرے ورودِ پاک کی وہ ساعتِ سعید
دامانِ شرق و غرب میں خیمہ تھا نور کا

مہتاب کیا ہے؟ جلوۂ خورشید کا نگیں
خورشید کیا ہے؟ جلوہ ہے تیرے ہی نور کا

کوکب کہ جبرئیل بھی جس پر گواہ ہے
اِک جسمِ اوّلین تھا تیرے ہی نور کا

کامل نبی ہے تُو ہی ، سِرَاجٌ مُّنِیرٌ تُو
اک تُو ہی کائنات میں منبع ہے نور کا

خالق ہی جانتا ہے ترے علم کی حدیں
محدود خاک تک ہی سفر ہے شعور کا

سِمٹی ہے کائنات کفِ دست پر ترے
ہے علم تجھ کو جملہ نہُفتہ امور کا

عرفان جو فرشتہ و انساں کی حد میں ہے
ذرہ ہے تیری معرفتِ بے ثغور کا

خلقِ عظیم ، ختمِ رسل ، زیرِ پا دول
تجھ پر تمام سلسلہ کس کس وفور کا

جب سے تری نگاہِ کرم مجھ پہ ہو گئی
کھنچنے لگا ہے مجھ سے بھی دامن قصور کا

عازم ہزار چہروں کے جنجال سے چھٹوں
اک بار دیکھ پاؤں جو چہرہ حضور کا

اللہ

سفر کی اگر تلخیوں کا یقیں ہے
مسافر کی نظروں میں کیا کچھ نہیں ہے

لہو رنگ چیخیں ، غموں کی پکاریں
بجھی آگ ، آوازۂ نکتہ چیں ہے

حسینوں کی گردن ، شریفوں کے سر ہیں
بھری بزم ، منظر بڑا دلنشیں ہے

نگاہوں کی شطرنج ، دوشیزہ مہرے
کڑی چال ہے شاطروں کی زمیں ہے

نظر با سلامت ! قدم با حفاظت !
بھٹکنے کا امکان رنگِ متیں ہے

کبھی اپنے جی سے کبھی دوسروں سے
یہاں ہر کوئی بسکہ اندوہگیں ہے

مرتب نظر چاہیے جاودانہ
زمیں بھی حسیں آسماں بھی حسیں ہے

دل افروز لمحوں کا نادیدہ عالم
جہاں چھوڑ کر آ گئے تھے وہیں ہے

مقامات ہیں کیفیت کی طنابیں
کہیں آہ ٹھنڈی کہیں آتشیں ہے

زمان و مکاں کیا ہے ؟ کیا مرد عازم
بریں ماورا ، ماورا در بریں ہے

روشن تھی آنکھ جب مری تاریکیاں نہ تھیں
جتنی رکاوٹیں تھیں مرے درمیاں نہ تھیں

کس خامُشی سے گذری ہے میّت ہجوم سے
ایسی تو زیست میں کبھی تنہائیاں نہ تھیں

آندھی سے پیشتر تھی کسے فکرِ آشیاں
دل مطمئن تھا ذہنی پریشانیاں نہ تھیں

الجھا نہ تھا غرور ابھی انکسار سے
تعمیر کے نقاب میں بربادیاں نہ تھیں

اک رشتۂ امید کٹا تیرے بعد ہی
تُو سامنے تھا جب مرے مایوسیاں نہ تھیں

اترا ہوا تھا جب وہ ستارہ نگاہ میں
دن کو سکوں تھا رات کی بیتابیاں نہ تھیں

عازم اُسی سے دل ہے اُسی سے یقین ہے
وہ تھا تو آتی جاتی شناسائیاں نہ تھیں

بہکی ہوئی نگاہ تو صرفِ گمان تھی
مجھ پر تجھ آئنے کی چمک مہربان تھی

تجھ سے لیا تو دل کے قرینوں کو پا لیا
تیری عطا دفینۂ صد ارمُغان تھی

حیرت سے دیکھتا رہا تجھکو تمام عمر
سینے میں میرے دل تھا نہ منہ میں زبان تھی

خود رفتگی کے چاند سے دیدہ وری ہوئی
اک روشنی سی جھڑتی مرے این وآن تھی

اپنی گلی بھی واپسی پر غیر سی لگی
ہر سانس ایک بھولی ہوئی داستان تھی

عازمؔ خبر تھی اور سوالوں کا جلترنگ
صورت کے کالبوت میں سایوں کی شان تھی
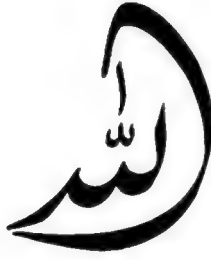
بچھا کیے تھے سمندر تو آئنوں کیطرح
خوشا وہ لوگ کہ اترے ہیں پتھروں کیطرح

ہمارے ہاتھ کٹے ہیں زُبان بھی چپ ہے
لہو کی بوند پہ روئے تھے آندھیوں کیطرح

ہوا چلی تو کئی سنسناہٹیں پھوٹیں
رگوں نے کروٹیں بدلیں سپولیوں کیطرح

سہانے خواب ہیں امید کے جزیروں میں
کرن مہکتی ہے رخشندہ سورجوں کیطرح

نئے زمانے کی عازم خود ارتکازی میں
سمٹ گئے ہیں مگر ہم بھی فاصلوں کیطرح

پرانی سنانے سے کیا فائدہ
بجھی کو جلانے سے کیا فائدہ

بس اک بوند کافی ہے اظہار کو
سمندر بہانے سے کیا فائدہ

کہاں سچ کہاں جھوٹ ہے چھوڑیئے
قلابے ملانے سے کیا فائدہ

لہو پوچھتے ہیں کہ ویران ہیں
دریچے چھپانے سے کیا فائدہ

تری گفتگوئیں ، تری محفلیں
زمانے بتانے سے کیا فائدہ

سمجھتا ہوں میں تیری مجبوریاں
بہانے بنانے سے کیا فائدہ

کسی چھاؤں عازم حضوری نہیں
کڑی دھوپ کھانے سے کیا فائدہ
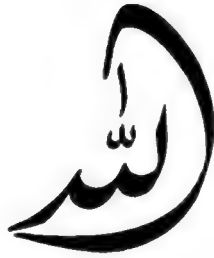
فاصلوں کا رنگ ہے گرمیِ خِطاب میں
تیرگی کرن کرن چشمِ آفتاب میں

تیزیِ نظر نہیں ، سرعتِ قدم نہیں
سلسلے خیال کے گم ہیں پیچ و تاب میں

خوف کی ہوا چلی سیج خون کی بچھی
راستے چھپا کیے گردِ اضطراب میں

شب کہ چاندنی نہیں ، دن کہ روشنی نہیں
آنکھ کا حساب ہے رنگ کی جناب میں

کوئی نہ ملا ہمیں زندگی میں راہبر
عمر صرف ہو گئی اپنی انتخاب میں

گرم تھی خبر خبر جرم تھا نظر نظر
پاک صاف ہو گئے بزمِ احتساب میں

کس کو کیا پسند ہے منہ ہے کہ سب کا بند ہے
اک ہراس ہے کہ چھا گیا ہے شیخ و شاب میں

اگر دنیا سے رشتہ توڑ لوں گا
تمہارے واسطے کیا کر سکوں گا

دریچے کھول کر بیٹھا رہوں گا
تمہارے واسطے زندہ رہوں گا

نیا چہرہ نئے میرے تقاضے
پرانے آئنے کو کیا کروں گا

ڈراتی ہے مجھے شب کی سیاہی
سحر جب آ گئی گرتا پھروں گا

بہت پہلو ہیں میری داستاں کے
کہوں گا بھی اگر تو کیا کہوں گا

طبیعت میں اگرچہ رنگ بھی ہے
بحسبِ حکم ہی آگے بڑھوں گا

صحیفوں پر نظر رکھی ہوئی ہے
حدیثِ دل جونہی ہوگی پڑھوں گا

محبت غیرِ پیمانہ ہے عازم
طریقت راہِ جاں ہے سو چلوں گا

آواز کے تو سائے فضا میں بکھر گئے
تیری نگاہِ ناز کے تیور کدھر گئے

کیا آئنہ گرا مرے ہاتھوں سے ٹوٹ کر
چہرے کے خال و خط ہی زمیں پر بکھر گئے

کب فرصتِ قیام تھی اس چل چلاؤ میں
لیکن پڑی وہ برف کہ پاؤں ٹھٹھر گئے

اک آس تھی کہ یاس کی سنگت چلا کیے
نشتر کے چاک تھے کہ ہرے زخم بھر گئے

عازم ہوئی ہے جب سے طبیعت اداس سی
سب لوگ ہی ہماری نظر سے اتر گئے

کچھ کر سکوں تو اپنی ہی عادت بدل سکوں
ایسی نہیں ہے زیست کہ بچ کر نکل سکوں

فرصت نہیں ہے اپنے مسائل سے ہی مجھے
اتنا سکوں کہاں کہ ستاروں پہ چل سکوں

اتنے ہیں راستے کہ کوئی راستہ نہیں
کس طرح اپنی آنکھ کے سانچے میں ڈھل سکوں

تنہائیوں کا شور ہے نفرت کی آگ ہے
دل کے لہو کو کاش کہ منہ سے اُگل سکوں

بزمِ ضروریات ہے ہاتھوں کی جنگ ہے
فکر و نظر کی آنچ نہیں ہے کہ جل سکوں

حسرت رہی کہ اپنے اشاروں کی ساکھ ہو
خود چل سکوں پھسلنے پہ خود ہی سنبھل سکوں

عازم گیا شعورِ جہت گیر و دار میں
آئینۂ چراغ میں کس منہ پگھل سکوں

پانی ہوں اپنی آگ کے اندر چھپا ہوا
خاک و ہوا کے دوش پہ دم کھینچتا ہوا

اڑتا ہوا پرندہ مری آنکھ لے گیا
میں رہ گیا وہیں پہ جہاں تھا کھڑا ہوا

انسانیت کو ڈھونڈ رہا ہوں گلی گلی
جیسے کوئی اثاثہ کہیں گم کیا ہوا

کیا جسم و جاں، شعورِ سخن، کیا مذاقِ فن
سب کچھ ہے آپ کا ہی عنایت کیا ہوا

بہتر یہی ہے غیر سے اپنی طرف چلیں
جو کچھ کیا گیا سو کیا جو ہوا ہوا

چھوڑ اعتراض! بحث کے زینے ہیں بیشمار
اچھا ہے وقت وہ جو کسی کام کا ہوا

عازمؔ کیا ہے چاند مسخّر تو کیا ہوا
آدم ہے اب بھی خاک کے اندر دھنسا ہوا

ہم کیا گئے کہ آپ کی عادت بدل گئی
نفرت بھی تجربے سے محبت میں ڈھل گئی

مقتل بجھے تو بارشیں دریا بہا گئیں
نازل ہوئی تھی ایک مصیبت کہ ٹل گئی

صحرا میں جیسے کوئی پرندہ اڑا نہ تھا
اڑنے لگی جو ریت مری آنکھ جل گئی

اک عمر سے تو خشک درختوں پہ تھی نگاہ
آئی بہار میری طبیعت مچل گئی

عازمؔ وہ ایک شکل کہ رہتی ہے سامنے
میرے چلن کو ایک ہی پل میں بدل گئی

بس کہ امید ہے اور دل ہے شکیبا میرا
دیکھتے دیکھتے جاتا ہے مسیحا میرا

تختِ واعظ ہو کہ منصور کے ہوں دار و رسن
میرے اِمروز سے مربوط ہے فردا میرا

اک تجسّس کی کرن ہے کہ ہوں پابندِ حیات
ورنہ کیا عالمِ فانی میں ہے رکھا میرا

کوئی باتیں ہیں کہ منہ آئی نکل جاتی ہیں
تُو مرا مان ہے اور مان پہ دعویٰ میرا

حسنِ توحید سے روشن ہے بقا کیصورت
آپ پوچھیں گے بھلا مجھ سے مداوا میرا

لذتِ شوق میں شَنوائی کی فرصت نہ ہوئی
شور میں گھلتا گیا حرفِ تمنّا میرا

اُسکی نسبت سے ہے چاہا جسے چاہا عازمؔ
کوئی بھی اپنا رہا ہے نہ پرایا میرا

تُو کہاں ہے!

مجھ کو ہر روپ میں اک روپ دکھانے والے
خیرگی سے مری آنکھوں کو لبھانے والے
میری تصویر میں نیرنگ اٹھانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

تیرا جلوہ ہے مرے جسم کے ایوانوں میں
میری آنکھوں میں مرے دل کے نہاں خانوں میں
خون بن کر مری رگ رگ میں سمانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

تُو ہی خورشید مرا چاند مرا نجمِ سرور
تُو مرے دن کا اجالا ہے مری رات کا نور
میری دنیا کے شب و روز سجانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

گونجتا ہے مرے احساس میں نَے کیصورت
میری سوچوں پہ ترا سایہ ہے مَے کیصورت
چپکے چپکے مرے لمحات پہ چھانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

میرے اوقات کا ہے تیری مشیت پہ مدار
میرے اعصاب پہ ہے تیری رضا جوئی سوار
میرے ہر فعل کو اپنا ہی بنانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

مجھکو تحریکِ عمل دیتا ہے اک تیرا جلال
کر گذرنے کا ہر اک بات کو اٹھتا ہے خیال
ولولے بن کے مرے دل کو جگانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

ڈھونڈتے ڈھونڈتے گذری ہے مری عمر تجھے
تیری منزل ہے کہاں؟ کچھ نہیں معلوم مجھے
کوئی جلوہ تو! مری پیاس بجھانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

تُو مری سانس مری جان مرا سب کچھ ہے
تُو مری شان مری آن مرا سب کچھ ہے
اپنا قبضہ مرے سب کچھ پہ جمانے والے
تُو کہاں ہے مری ہستی کو جِلانے والے

محمد ﷺ مدینہ بہ سرکارِ مدینہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام

کونین کا نبّاض ہے سرشارِ مدینہ
دنیاؤں کی تقدیر ہیں اسرارِ مدینہ

دجال کا سایہ بھی نہ پہنچے گا جہاں پر
وہ کفر شکن ہیں در و دیوارِ مدینہ

دیتا ہے شریروں کو نکال آپ سے باہر
اچھوں کا ہی گہوارہ ہے بازارِ مدینہ

کیا پیار تھا جب آتے تھے نزدیکِ مدینہ
کر دیتے تھے تیز اونٹنی مختارِ مدینہ

ٹھکرایا زر و مال چلے لے کے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
کیا ہوش و خردمند تھے انصارِ مدینہ

وہ بدر و حنین اور وہ دنیائے فتوحات
وہ شانِ جوانمردیِ سالارِ مدینہ

بے تیغ و تبر مکہ کی وہ فتحِ جمالی
وہ عفو و خوش اخلاقیِ سردارِ مدینہ

ایسا کوئی پہلے تھا نہ اب ہے نہ ہی ہو گا
بے مثل ہیں بے چون ہیں سرکارِ مدینہ

باغیِّ نبی طیبہ سے منہ پھیرنے والا
ہوتا ہے سیہ بخت ہی بیزارِ مدینہ

رہتے ہیں ہمہ وقت بدامانِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
کیا شانِ جُدا رکھتے ہیں اخیارِ مدینہ

کُھل جاتی ہے ہر آنکھ پہ دنیا کی حقیقت
قسمت سے جونہی ہوتا ہے دیدارِ مدینہ

نام عرش پہ میرا بھی لکھا جائیگا عازمؔ
مل جائیں اگر مجھکو بھی سردارِ مدینہ
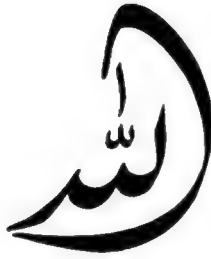
احساس گو نہیں پہ ہے دنیا بسی ہوئی
آباد سارا گھر ہے پہ مشعل بجھی ہوئی

ملتا ہے کچھ سکون تو مرنے کے بعد ہی
یعنی کہ موت زاویۂ زندگی ہوئی

اچھی کسی بھی شے کی نہیں ہے زیادتی
آنکھیں ہی بند ہو گئیں وہ روشنی ہوئی

کیا کیا سہولتیں ہوئیں پیدا مشین سے
انساں کی مشکلوں میں نہ کوئی کمی ہوئی

ہر پردۂ امید کے پیچھے ہے ایک خوف
انہونیوں کی گرد لبوں پر جمی ہوئی

بندہ نہ ہو سکا تو عبادت ہے نابکار
مولا بغیر اگر ہو تو کیا بندگی ہوئی

مقصد لِقائے میر ہے ہر رنگ ڈھنگ میں
عازمؔ یونہی نہیں ہے یہ محفل سجی ہوئی

شفّاف آئنے میں یہ کیا خط سے پڑ گئے
چہرے کے خط و خال سراسر بگڑ گئے

تعمیرِ نو کے عہد پہ چھتیں اکھاڑ دیں
جھوٹی تسلیوں سے کئی گھر اجڑ گئے

ہر موڑ پر ہزار نکلتے تھے راستے
ایک ایک کر کے جتنے تھے راہی بچھڑ گئے

پیڑوں سے سائے کی بھی توقع نہیں رہی
پتے جو کچھ ہرے تھے ہواؤں سے جھڑ گئے

ٹھہرے تو لوگ اڑانے لگے ہم پہ پھبتیاں
چلنے لگے تو آبلے پاؤں میں پڑ گئے

لاکھوں جتن کیے کہ ہواؤں کا ساتھ دوں
لیکن زمین سے مرے پاؤں اکھڑ گئے

احساس کے مزار پہ عازمؔ لہو چڑھا
وہ فاصلے پڑے ہیں کہ رشتے سکڑ گئے

خوش ہوں کہ میری بات کا چرچا نہیں ہوا
انبوہِ خاص و عام میں رسوا نہیں ہوا

جیسا بھی ہوں میں ویسا ہی ہوں تیرے سامنے
تجھ سے کچھ اپنا میں نے چھپایا نہیں ہوا

میں نے خود اپنی آنکھ کو بے نور کر دیا
میرے قریب کوئی ستارا نہیں ہوا

ہر چند دھوپ تیز تھی نظروں کا شور تھا
بے ڈور پُتلیاں تھیں تماشا نہیں ہوا

اپنی تسلّیاں ہیں نہ اپنی تشفّیاں
غیرت کے ہاتھ پاؤں پہ فتویٰ نہیں ہوا

ترچھی نگاہ ، ظاہر و باطن کی جنگ ہے
جو کچھ سنا گیا ہے وہ دیکھا نہیں ہوا

آنکھوں کے تِل میں زاویے ہیں اختلاف کے
جو بھی مرض اٹھا ہے مداوا نہیں ہوا

ہوتی رہی منافقت اِخلاص پر رقم
جھوٹا نہیں ہوا کوئی سچّا نہیں ہوا

وہ وہ پڑی ہیں غیر کی الفت میں سبقتیں
بھُگتا گیا ہے جو کہیں لکھا نہیں ہوا

عازمؔ تری غزل میں بہت سی ہیں تلخیاں
گویا ابھی تو بندۂ دنیا نہیں ہوا

اللہ

چاہت میں انکی اور ہی سانچے ڈھل گئے
خود ساختہ حدود سے باہر نکل گئے

لگتے ہیں اپنے شہر کے باسی بھی اجنبی
آشوبِ روزگار سے حُلیے بدل گئے

جب پِس چکے تو خاک ہوئے، دیکھتے رہے
اچھا ہوئے بغیر بُرے وقت ٹل گئے

ہم کچھ بھی فائدہ نہ ہوا سے اٹھا سکے
گھر میں چھپا رکھے تھے جو سِکّے پگھل گئے

اک بار چھو چکا تو کبھی پھر نہ چھو سکا
خورشید سے لگے جو مرے ہاتھ جل گئے

ہر لمحہ آزمائشِ جانِ لطیف تھا
رستے اگرچہ بند نہ تھے دِل دہل گئے

صورت کے امتحان میں حاصل کی ضرب تھی
عازمؔ ابھی قدم نہ اٹھے تھے پھسل گئے

اللہ

تو نے وہ اپنی آنکھ کا سورج بجھا دیا
آنگن کو میری زیست کا حلقہ بنا دیا

پتھر نہیں تھا رخ پہ جو پڑتیں نہ سلوٹیں
آئینہ تو نے ہاتھ سے کیونکر گرا دیا

ہر آرزو کے پہلو میں تھی ایک آرزو
خوشیوں کا رنگ ڈھونڈتے سب کچھ گنوا دیا

ملنا تو درکنار نہیں دیکھنا نصیب
تو نے مری وفاؤں کا اچھا صلا دیا

کیا کیا خیال گھومتے تھے میرے ذہن میں
تُو نے مجھے جو دیکھا تو سب کچھ بھلا دیا

ذرّے سے آفتاب کہ نِسبت سلام ہے
ہم کیا تھے اور تُو نے ہمیں کیا بنا دیا

وہ ہے تو کائنات نہیں ہے تو کچھ نہیں
ساری لطافتوں کو اُسی نے جِلا دیا

شان اُسکی ہے اُسی کا کرم ہے اُسی کی آن
جسکو دیا ہے جب بھی دیا بے بہا دیا

بے جا شکایتیں ہیں گلہ شکوہ بے محل
عازمؔ کسی کو بھی کبھی دنیا نے کیا دیا

محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام رشتہ ہائے ازلی

کس سے احاطہ ہو گا ترے اختیار کا
محبوب ایک تُو ہی ہے پروردگار کا

قائم ہوئی ہے تجھ سے ہی گردش زمین کی
درجہ ملا ہے مہر کو تجھ سے مدار کا

تیرے لیے ہی سب ہیں سمندر بچھے ہوئے
جلوہ ہے خشکیوں پہ ترے اقتدار کا

موسم کی رنگا رنگیاں سب تیرے واسطے
تیرے لیے ہی سلسلہ لیل و نہار کا

تجھکو ہی اختیارِ شفاعت دیا گیا
رہتا ہے تجھ سے رابطہ ہر گنہگار کا

جو تجھ کو ناپسند خدا کو بھی ناپسند
لازم ہے اقتدا ترے لیل و نہار کا

دنیا و آخرت میں ہے سب سے عظیم تُو
بعدِ خدا تجھی پہ ہے نکتہ شمار کا

اوصاف تجھکو بخشے ہیں ایسے رؤوف نے
دم گھٹ کے رہ گیا ہے مرے اختصار کا

تُو ہی خدا کا سب سے بڑا شاہکار ہے
سہرا ہے تیرے سر ہی ہر عزّ و وقار کا

مومن ہے تیرے نُور سے، نورِ خدا سے تُو
یہ رابطہ ، یہ سلسلہ مشترکہ پیار کا

نزدیک ہو کہ دور ہو تیرے ہے سامنے
ہر دم ہے تجھ سے رابطہ ایماندار کا

تجھ سے ہی شمعِ علم بر افروز اِین و آں
روشن ہوا ہے فرق یمین و یسار کا

تیرا جنوں ہی باعثِ آرامِ جان ہے
تیرا ہی عشق علاج دلِ بیقرار کا

آقا تری غلامی پہ سو ناز ہیں مجھے
شہسازیاں ہے طرّہ ترے اقتدار کا

عازمؔ وہی رہیگا دو عالم میں سرخرو
مداح جو بھی ہو گا شہِ نامدار کا

تیور ابھی بدل گئے حالات کے کہاں
مربوط زاویے ہیں خیالات کے کہاں

کچھ سر کہ جھومتے ہیں ابھی خون دیکھ کر
پورے ہوئے تقاضے مکافات کے کہاں

اندھیرے میں تو ذرہ بھی آدم دکھائی دے
مہتاب چھپ گئے ہیں مری رات کے کہاں

میری صدا ہی تھی جو مرے کان میں پڑی
اجڑے مکاں میں شور ملاقات کے کہاں

ہم نے ہی اپنے طور طریقے بدل لیے
ورنہ بسیرے شہر میں جنّات کے کہاں

آغازِ دمِ نَو تھا جب وہ ابھی کمسِن تھا
ہر شب ہی نئی شب تھی ہر دن ہی نیا دن تھا

وہ حسن کی مالا تھا کردار سراپا تھا
سورج کی کرن اُس کا آئینۂ باطِن تھا

ہم لوگ ہی خوگر تھے تاریک بسیروں کے
ورنہ وہ ستاروں کی تقدیر کا ضامِن تھا

انسانیتِ اکبر صرف اُس سے ہوئی اظہر
انسان کا محسِن ہے انسان کا محسِن تھا

قائم ہے ظہور اُس سے دائم ہے حضور اُس سے
ہر آن میں بیّن ہے ہر آن میں بیّن تھا

ہر شان میں جلوہ گر ہر آن میں آن آور
حق ہے کہ بغیر اُسکے ممکن بھی نہ ممکن تھا

آغاز وہی عازم انجام وہی ، ورنہ
حتّٰی نہ اِلٰی ثابت عَنۡ تھا نہ کہیں مِنۡ تھا

شب تھی تو تری شب تھی دن تھا تو ترا دن تھا
لمحہ تری سنگت میں عالم کا معیّن تھا

کہنے کو تو جیتے تھے آرام سے ہم لیکن
دشوار بہت جینا اے دوست! ترے بن تھا

تیرے لیے ہر محفل تیرے لیے ہر منزل
کچھ بھی نہیں تجھ بن تھا جاری تھا نہ ساکن تھا

تیرے لیے ہر میزاں تیرے لیے ہر موزوں
کن تھا نہ فکاں تجھ بِن نے کون نہ کائن تھا

وہ ایک ہوا برپا تُو ایک ہوا پیدا
ایک ایک کا ہو مظہر بن تیرے نہ ممکن تھا

وحدت کو نہ کثرت تھی کثرت میں نہ وحدت تھی
تجھ بن کسی کیفیّت ظاہر تھا نہ باطن تھا

بِن تیرے نہ تھی نعمت ، انعام نہ منعَم تھا
اسلام نہ مسلم تھا ایمان نہ مومن تھا

بے ربط مد و جزر کہ جذبات میں نہیں
یہ ایک بات ہے کہ تری ذات میں نہیں

اجڑے مکاں میں دیکھ وہ مٹی بھرے چراغ
اک لمحۂ حیات کہ جذبات میں نہیں

رہتے ہیں خواہ مخواہ کے مصروف رات دن
کوئی بھی چہرہ حیطۂ مرآت میں نہیں

ڈوبا ہوا ہوں سوچ نگر کی اتھاؤں میں
گلیوں کی دھوپ چھاؤں مری گھات میں نہیں

ہم خود ہی اپنے بوجھ کے نیچے پسا کیے
تبدیلیاں کہیں رخِ حالات میں نہیں

ہر شے ظہورِ سمتِ لطافت سے تام ہے
دن کی فضا میں ہے جو مزا، رات میں نہیں

بعد از وصال ہجر نہیں، ورنہ فرق ہے
درجات کا حصول مقامات میں نہیں

جب تک نہ ایک، ایک ہو عازم بقا نہیں
جو حفظ شہر میں ہے مضافات میں نہیں

وہ آدمی ہے مگر آدمی سے ڈرتا ہے
خود اپنے سائے میں وحشت کا رنگ بھرتا ہے

سکڑ گئی ہے زمیں آفتاب سرد ہوا
نیا ستارہ ابھی برج سے گذرتا ہے

ذرا سی حدتِ یک بستہ کی ضرورت ہے
نیا زمانہ فقط رنگ پیش کرتا ہے

گماں کی آگ ہے نظروں کی ہے فراوانی
لہو کے سوگ میں جیتا نہ کوئی مرتا ہے

تلاشِ خوب نہیں ، زشت کا ازالہ نہیں
ہر ایک تہمتیں بس دوسرے پہ دھرتا ہے

نگاہِ ناز کو لازم ہے فطرتِ خورشید
خود آپ ڈوبتا ہے اور خود ابھرتا ہے

ثبات کیلئے صورت کا رنگ کیا معنی
گر آج چڑھتا ہے دریا تو کل اترتا ہے

نظامِ شوق اہم غیر اہم سے پاک رہا
نہ ہو گر ایک کڑی سلسلہ بکھرتا ہے

فضا کے ساتھ ہوا بھی بدلتی ہے عازم
بہار آتی ہے جب ، روپ بھی نکھرتا ہے

دھڑکا نہ کبھی مجھکو لگا اپنی فنا کا
فیضان فقط آپ سے پایا ہے بقا کا

کیوں خوف ہو کیوں حزن ہو ظاہر ہو کہ باطن
بس آپ کا شیدائی ہوں شیدائی سدا کا

ہر حُبِّ الٰہی کا ہوا آپ پہ اِتمام
جچتا ہے لقب آپ کو محبوبِ خدا کا

پاؤں تلے جنت ہے تو ممبر تلے کوثر
انجام ہوا آپ پہ ہر حسنِ عطا کا

جو کچھ بھی ہے سب ہے تری آنکھوں پہ ہویدا
آئینہ ترے سامنے ہے ارض و سما کا

ہر سانس مجھے یاد دلاتی ہے تمہاری
ہر بات میں ہے ذکر تمہاری ہی رضا کا

جب سے مجھے منظور ہوا انکا وسیلہ
مقبول ہوا جاتا ہے ہر لفظ دُعا کا

عازمؔ مری ہر آن میں ہے شان انہیں سے
ہر حال میں رہتا ہے نظام اُنکی وِلا کا

مجھکو خود اپنے آپ سے کیا نفرتیں ہوئیں
اپنے خلاف دوسروں سے سازشیں ہوئیں

ویرانیوں کے سحر میں جذبات بہہ گئے
جنگل کے درمیان عجب خواہشیں ہوئیں

اقدام جو بھی تھا وہ زبانی قرار تھا
کتنا لہو تھا تیز نہ پر دھڑکنیں ہوئیں

اک دائرہ ہے سو وہ ہمارے ہی گرد ہے
اوروں سے انحراف کی سب شدتیں ہوئیں

احساس سو گیا ہے تسلّی کی چاٹ میں
اتنی قبولیت کہ فنا طاقتیں ہوئیں

عازمؔ جلے چراغ تو آنکھوں میں چبھ گئے
آسانیوں سے کتنی سوا مشکلیں ہوئیں
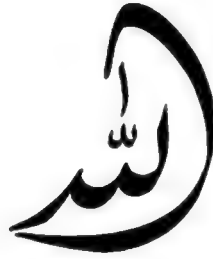
ہرن کی آنکھ سے آنسو گرا ہے
شکاری کا بدن ٹوٹا ہوا ہے

اب ایسا ہے کہ پھر ایسا نہ ہو گا
زمانہ اپنی چالیں دیکھتا ہے

ابھی دامن کناروں میں گھرا ہے
بہت کچھ ہے بہت کچھ مانگنا ہے

ابھی گذرے نہیں دن چاہتوں کے
ابھی پتھر سے پانی چل رہا ہے

بہت ناسور سینے میں چھپے ہیں
بہلنا تو ہمارا مشغلہ ہے

فضا کے خول توڑے جا رہا ہے
نہ جانے آدمی کیا چاہتا ہے

پلٹ آئی وہی وحشت پرانی
سب امیدوں پہ پانی پھر گیا ہے

ہم عازم بندگی پروردگاں ہیں
نہیں ہے اصطفا تو اشتہا ہے

دل اپنے آپ سے شرما رہا ہے
اندھیرا چاندنی پھیلا رہا ہے

تڑپتا خون ابھی بکھرا نہیں ہے
ابھی منظر کو دیکھا جا رہا ہے

گذر جائیں گے تدبیروں کے ریلے
بڑی شدت سے سیلاب آ رہا ہے

کوئی شیرازہ شیرازہ رہے گا
قیامت کا سماں منڈلا رہا ہے

اصول ازبر نصیحت کیلئے ہیں
وگرنہ کون عمل پیرا رہا ہے

اس اجڑے گاؤں کی گلیوں میں عازم
تفرق شہر کا برپا رہا ہے

تیری پہنائی کسی سے بھی نہ پائی جائیگی
جتنی پھیلے گی خرد اتنی سمٹتی جائیگی

رحمۃللعالمین اترا ہے تیری شان میں
کوئی جھولی بھی ترے در سے نہ خالی جائیگی

اقتدا تیرا خدائے لم یزل کا اقتدا
جو ترے پیچھے چلا بات اُسکی بنتی جائیگی

جو کہا تو نے وہی سب سے زیادہ معتبر
اور کوئی بات بھی ہرگز نہ مانی جائیگی

جس نے تیرے دین کا اقرار دل سے کرلیا
نعمتِ ہر دو جہاں اُس شخص کو دی جائیگی

ہو قبول عازمؔ کا یہ نذرانۂ عجز و نیاز
ورنہ تیری ذات ہے کس سے سراہی جائیگی

ہر ضابطہ بجائے خود اک جھوٹ سا لگے
صحرا میں پھیلی ریت کا منظر ہرا لگے

بچنے کا اک طریق یہی ہے نہ کچھ رہے
لاشوں کے درمیاں جو کھڑا ہے خدا لگے

میں خود کو پوجتا ہوں بجز شرکتِ دگر
جیسا بھی ہے وہ شخص مجھے دیوتا لگے

دوشیزہ سائے کتنے ہی لپٹے ہیں دھوپ سے
وہ بھی بُرا نہیں ہے جو سب کو بُرا لگے

دن ڈھل چکا ہے اپنی جوانی کے رنگ میں
چھپنے کو ہے جو مہر ابھرتا ہوا لگے

عازمؔ ہماری سانس میں ہیں چاند گرمیاں
انجام کی خبر سے عمل مبتدا لگے

دل کھولتا ہے تیری تمنّا لیے ہوئے
یہ ایک بات سارا تماشا لیے ہوئے

اک بولتا ہے اور سمجھتا ہے دوسرا
شانوں پہ دوستی کا جنازا لیے ہوئے

کیا کیا خدا تراشے گئے نظم کیلئے
کیا لوگ نکلے سر پہ چڑھاوا لیے ہوئے

یہ پوش ہو گا کونسے عالم کا پاسباں
نکلا ہے بھیس رنگ برنگا لیے ہوئے

آنکھیں سفید اور زُباں لال ہو گئی
دن آیا رات بھر کا اندھیرا لیے ہوئے

جذبات اپنی شان سے مفہوم پا گئے
ابھرا ہے چاند چاند ستارا لیے ہوئے

عازمؔ وہ دل بھی ہیں جہاں اتمامِ نور ہے
اترے ہیں آسماں سے سویرا لیے ہوئے

اللہ

کوئی بھی بات مخالف کی اب سہیں گے نہیں
وہ کانٹ چھانٹ کریں گے کہ خار اگیں گے نہیں

یہ خامشی تو مجھے توڑ پھوڑ دے گی کبھی
گداز جسم کے شعلوں سے پھول اٹھیں گے نہیں

سلگتی آنکھ بہت منتظر ہے سورج کی
یہ گھاؤ چاندنی راتوں سے اب بھریں گے نہیں

ورق ورق کی گواہی سے فیصلہ ٹھہرا
اب اپنی ذات سے دھوکا کبھی کریں گے نہیں

حیات بھول بھلیوں کی اک حسینہ سہی
ہم اپنے پاؤں کو دیکھیں گے اور رکیں گے نہیں

ہماری نسل پہ ہے بوجھ روشنی کا بہت
جھٹکتے جائیں نہ سر کو اگر بڑھیں گے نہیں

بس ایک پاؤں سمیٹے گا خون صدیوں کا
مسافتوں کے گھروندے تو خود گریں گے نہیں

محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

زندگی کارگہِ دل ہے تجھے چاہا جائے
اولیں فرض کہ مجھ پر ہے نباہا جائے

عمرِ کوتاہ تری مدح کرے گی کیا کیا
تو وہ ممدوح کسی سے نہ سراہا جائے

تُو وہ آئینہ کہ جس سے چمک آئینوں میں
تو وہ نظارہ کہ ہر رنگ میں چاہا جائے

تُو جو مل جائے تو مل جائے سکوں کی دنیا
میرے لب سے یہ تکلّف بھری ہا ہا جائے

کتنی امیدیں لیے بیٹھا ہے اپنے دل میں
کاش عازم ترے در پر کبھی شاہا جائے

آتش فشاں پہاڑ تھے ویرانے پھٹ گئے
وہ وہ متن ہوئے کہ حوالے پلٹ گئے

اُن ساعتوں کو ڈھونڈ کہ آئینہ بند تھیں
چنچل حنائی ہاتھ کے ریشے تو کٹ گئے

حدت کا بوجھ اپنی جگہ خوں بہا بھی ہے
بادل سے چھوٹے چھوٹے ستارے لپٹ گئے

صدیوں نے اپنے پاؤں کو جنبش کبھی نہ دی
گذرے ہوئے دنوں کے لطائف بھی گھٹ گئے

اترے تھے جرگہ جرگہ درندے زمین پر
درّوں کے سلسلے تھے چٹانوں میں بٹ گئے

بجلی سی کوندتی تھی سمندر کے بیچ سے
بکھری ہوئی نگاہ سے چشمے چمٹ گئے

باہر کی نرم نرم ہوا بھی شدید تھی
کچھ اژدہا تھے غار کے اندر سمٹ گئے

حرفوں کی ساز باز پہ لفظی جنون تھا
بولی تھی دام دام خریدار ہٹ گئے

نفرت سے نفرتیں ہوئیں وحشت سے وحشتیں
جو خاک خود اڑائی اُسی میں خود اٹ گئے

عازم مفاد وقت میں اترے لہو لہو
بدلی ہوا تو آن میں بادل بھی چھٹ گئے

رنگ ہر رنگ بپا ہو گا خدا خیر کرے
کھیت جل کر بھی ہرا ہو گا خدا خیر کرے

لہلہاتی ہیں کہاں تک لہو سینچی فصلیں
وقت مجبورِ نوا ہو گا خدا خیر کرے

چاند ٹوٹے گا زمیں کروٹیں بدلے گی بہت
ہر تصور میں خدا ہو گا خدا خیر کرے

ایک صورت میں کوئی اور نہ صورت ہو گی
ایسی یکتائی میں کیا ہو گا خدا خیر کرے

اپنی آواز میں پھیلے ہوئے لمحات سمیٹ
وقت پھر آسیہ پا ہو گا خدا خیر کرے

آدمی اپنے تشکّل پہ گراں گذرا ہے
نازِ پروردگی کیا ہو گا خدا خیر کرے

ہم کہ سرگرم نہیں اپنی سرشتوں کیلئے
اپنا اچھا نہ برا ہو گا خدا خیر کرے

آشتی شرط مگر لوگ سروں کے دشمن
اک دریچہ ہے سو وا ہو گا خدا خیر کرے

آگ پھیلی ہے بھرے شہر کے بازاروں میں
خون پانی سے جدا ہو گا خدا خیر کرے

آنکھ سے آنکھ ہے چہرے پہ ہے چہرہ گرداں
کام سے کام بنا ہو گا خدا خیر کرے

دام بِکنے کے ہیں، بکنے پہ بھی پابندی ہے
کوئی پوچھے گا تو کیا ہو گا خدا خیر کرے

ہم کسی جنس حیا کا نہیں سودا کرتے
جو کریں گے سو بجا ہو گا خدا خیر کرے

تلخیِ شب میں بھرے دن کی حلاوت بھی ہے
ہم نے دیکھا جو کہا ہو گا خدا خیر کرے

نو دمیدہ لب و عارض پہ صبا کھلتی شفق
سورج آنچل وہ کھڑا ہو گا خدا خیر کرے

اُسکی ہر آن میں لمحے بھی ادا پاتے ہیں
وہ لطافت کی فضا ہو گا خدا خیر کرے

اپنے ماحول کی گرمی میں چھبن اُسکی ہے
کوئی آیا نہ گیا ہو گا خدا خیر کرے

کب ہمیں صبر پہ دعوائے وفا ہے عازمؔ
ایک آنسو ہے گرا ہو گا خدا خیر کرے

اطراف کے مابین کڑی ٹوٹ چلی ہے
پیوستہ زمیں مان بھری ٹوٹ چلی ہے

اک زخم کی ہستی میں بدن ڈوب رہیگا
مرہم کی جٹا خشک ہوئی ٹوٹ چلی ہے

کیا اور تماشا بھی کوئی میرے سوا ہے
نیچے سے مری فصل کھڑی ٹوٹ چلی ہے

آنکھوں میں حرارے ہیں مگر لب پہ دُعائیں
سکھ چین کی ایک ایک گھڑی ٹوٹ چلی ہے

ہم خاک اڑاتے ہیں مگر اپنے سروں میں
جس بات سے ہے بات وہی ٹوٹ چلی ہے

اپنے لیے جینا ہے نہ اپنے لیے مرنا
پھر کس لیے یاروں کی لڑی ٹوٹ چلی ہے

عازمؔ کسی چشمک بھی نہیں قوتِ برداشت
دل تنگ ہوا خوش نظری ٹوٹ چلی ہے
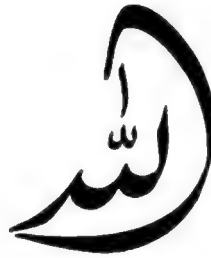
رُوسیہ بادل ہواؤں کی عملداری میں ہم
کیا گھرے بیٹھے ہیں گھر کی چار دیواری میں ہم

کھیل اپنے رنگ پر تھا، چال الٹی چل گئے
وہ کڑی ٹوٹی کہ پھر آئے نہ پرکاری میں ہم

ابتری ہے، فوضویت، زیردستی کا جنوں
کیا خبر پکڑے گئے ہیں کس گنہگاری میں ہم

صورتوں کے ساتھ ساتھ اپنی حسیں بھی گھل گئیں
آندھیوں کو اوڑھ کر نکلے صبا کاری میں ہم

خامشی کے ساز پہ رقص اپنی قسمت ہو گیا
دست و پا رکھتے ہیں باتوں کی خریداری میں ہم

زندہ دِلی

چائے کی پیالی میں دائروں کی سرگرمی
ہوٹلوں کی معموری ہاتھ ہاتھ مجبوری
کان کان سرگوشی پاؤں پاؤں مدہوشی
سنگ سنگ خاموشی
رنگ دائرے دیکھے آنکھ دائرے دیکھے
رنگ دائرے ٹھہرے

دائروں کی رنگت میں
دائروں کی سنگت میں
دائروں کی آنکھوں سے
لب چپک چپک جائیں
دل دہک دہک جائیں
جنبشیں
شدتیں

سب آ قائی

گنگ لفظوں کا طول ہے پیارے
دل بہت ہی ملول ہے پیارے

چشم و دل پھوٹ پھوٹ بے پہلو
ہر تمنا فضول ہے پیارے

سارے جذبات جب ہوں پتھریلے
بے اصولی اصول ہے پیارے

آفتابی نظر، شہابی شباب
تیرا چہرہ رسول ہے پیارے

سوچ کی رنگ رنگ بینائی
تیرے قدموں کی دھول ہے پیارے

لفظ تیرے بیان بھی تیرا
فکر سانسوں کی بھول ہے پیارے

تو اٹل ہے اٹل سماں تیرا
تو سراپا قبول ہے پیارے

آخری............

چھناکا

یہ کیا ہے؟

میرے دانتوں کی کھوڑوں میں اٹکا ہوا

میرے چہرے کے ریشوں میں رستا ہوا

میرے بازو کی مچھلی میں پستا ہوا

میرے رخسار و لب سے ٹپکتا ہوا

یہ لہو......! خون...... کیا ہے!

چھناکا

مرا آئنہ کتنا شفاف ہے

مری پوری صورت کا موباف ہے

یہ آئینہ کیا ہے!

یہ کیا ہے؟

چھناکا

مری صبحِ رنگیں کا روشن ثبوت

گزشتہ شب و روز کا کالبُوت

چھناکا چھناکا!

یہ باہر ہے کیا!

یہ باہر ہے کیا!!

مگر کون باہر!

یہ اندر ہے کیا!

یہ اندر ہے کیا !!
چھنا کا .... ہے کیا ؟!

مرے گھنگریالے مرے لانبے بال
مری پشت پر رقصِ بے ماہ و سال
مری آنکھ مستی عروج و زوال
یہ گردن مری ، میرا قد بیمثال
کمر میری نازک سو یہ مور چال
میرے زاویے میرے سب خد و خال
مرا جسم میرا بدن مالا مال
تناسب ...... نزاکت ...... ہمہ لایزال
سدا آفریں!
شاعرانہ!
مرے نارپن تجھ پہ لاکھوں سلام

مجھے یاد ہیں میرے سب جاں نثار
میرے عاشق مزاج!

مرے پھول ہاتھوں میں وہ بانس ہاتھ
نزاکت کہ اُن بانس ہاتھوں میں تھی
مجھے یاد ہیں
میرے دن.........میری رات!
وہ سب راستے
راستے..........پُر مذاق!
وفادار!
فنکار!
سب راستے!
نزاکت کے..........کھل کھیلنے کے
وہ دن ...... اور ...... رات

مرا جسم .... مرکز

چھنا..........کا!! ....کا؟

ہیو..........لا ! ....لا؟

چھنا..........ہیو ....چھنا......

چھنا کا!

مرا باپ مٹی کا تودہ نہیں ہے

مرا باپ پانی کا دریا نہیں ہے

مرا باپ شعلہ بھبوکا نہیں ہے

مرا باپ جھونکا جھروکا نہیں ہے

چھنا کا!!!

"چھنا کا"

مرا باپ سونا نہیں ہے

"چھنا کا!"

مرا باپ چاندی نہیں ہے

"چھنا کا!!"

مرا باپ پانی نہیں ہے

"چھنا کا!!!"

مرا باپ مٹی نہیں ہے

"تو کیا ہے!!؟"

مرا باپ کچھ بھی نہیں ہے!!

کچھ......بھی......نہیں ہے!؟!!

مرا باپ..................ہے؟!

مرا باپ ہے

چھنا..............کا...............!

ہیولا..................

ہیں......؟..........ہوں!..........ہاں

ہیولا

سب ہیولوں کا مرکز

ہیولا

مرے آئنے!

ٹوٹ جا

مرے گلبدن!

پھوٹ جا!!

مرے آئنے..........!

ٹوٹ جا..........پھوٹ جا!

ٹوٹ..........جا!

اسطرح .... یوں!!!

اللہ

بات کرنے کا سلیقہ اب کے دیکھا جائے گا
خوں سے لکھے جو نعرہ اب کے دیکھا جائے گا

آنگنوں کی کپکپاتی رونقوں کے درمیاں
دھوپ کا کردار کیا ہے اب کے دیکھا جائے گا

موسمی زنجیر ثابت ، انتشارِ رنگ بھی
کیا ہے؟ کس کا ہے تماشا؟ اب کے دیکھا جائے گا

پنبہ پنبہ کوہ کوہ ذرہ ذرہ سیخ پا
ناچتا گاتا سا پُتلا اب کے دیکھا جائے گا

سرخ گالوں کی گرہ آتی ہے کتنی دانت میں
چیل مرتی ہے کہ کھا جا اب کے دیکھا جائے گا

آنکھ کے خُسپیدہ پردے لیں گے افعی کروٹیں
کس کے بدلے کیا دیا تھا اب کے دیکھا جائے گا

جل اٹھیں گی دیکھنا پورے کی پوری بستیاں
دھندلکوں کا اک تماشا اب کے دیکھا جائے گا

کروٹوں کے سنگ عازم وحشتوں کی بارشیں
کیا ہے جینا کیسا مرنا اب کے دیکھا جائے گا
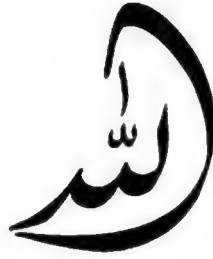
ایسی بستی ہے کہ جل جائے گی
ایک قسمت ہے بدل جائے گی

لہو جلتا ہے ہوا گرم بہت
بات لوہے کی پگھل جائے گی

کس قیامت پہ نظر جائیگی
رات تصویر میں ڈھل جائے گی

لذتِ ذکر پہ دعوائے فقر
جست بازی سہی چل جائے گی

رازداری میں حیا لازم ہے
بات منہ آئی نکل جائے گی

ذات فی الذات اثر ہے عازم
ذات بالذات سنبھل جائے گی

سائے

۱

معاشی مگرمچھ زمیں کھودتے ہیں
سمندر بیابان انسان خنجر
لہو بیل دن رات ہل جوتتے ہیں
کنویں جھاڑ بوٹوں میں تبخیر گستر

۲

مشقت مشقت مسلسل مشقت
زن و مرد خر خر کی دلدل میں لت پت
وہ دور ایک برق آز استادہ عورت
کھڑی پشت پر لمبے بالوں کی وحشت
قریب ایک جھاڑی کی لچکیلی دم پر
کوئی سر کٹا سانپ لہرا رہا ہے
اور اک آدمی سامنے سر ہلاتے ہوئے
ہاتھ نیچے کو پھینکے کھڑا ہے
''ابھی ہاتھ لگتا نہیں ہے
زمیں گرم ہے آسماں گرم ہے
ہراساں من و تو کا عالم
کسی غار میں منجمد ہے
معاشی مگرمچھ زمیں کھودتے ہیں''

۳

گروہ در گروہ مچھلیاں
دودھ کے کھوج میں
پھٹکڑی کیطرح پھٹ گئی ہیں
نمک معدنوں میں پڑا گھل رہا ہے
بھرے کھیت پیلے ہیں گندم ہری ہے
اور آٹے کو کوّے پڑے ہیں
کئی نوک خنجر پہ قطرے جمے ہیں
جمے کے جمے رہ گئے ہیں
زمیں اک ستارے سے ٹکرا رہی ہے
اور اک ستارہ اُسے چھوڑتا ہے
سوا نیزے کی سرد راتیں
دبے پاؤں لمحوں کی باتیں
معاشی مگرمچھ زمیں کھودتے ہیں
لہو بیل دن رات ہل جوتتے ہیں

تیرا نہ ذکر ہو جہاں کوئی ایسی سر زمیں نہیں
جس میں تری چمک نہیں ایسا کوئی نگیں نہیں

تیرے ہزار رنگ ہیں معرکۂ وجود میں
ڈھونڈ چکے نگر نگر مثل تری کہیں نہیں

تیرا ہر ایک فعل ہے شانِ نزولِ الکتاب
پاک ہے تو ہر عیب سے تجھ سا کوئی حسیں نہیں

تیرے غلام شش جہات تیری نگیں ہے کائنات
جُز آفرینش آفریں تجھ سے کوئی بریں نہیں

تیرے فیوض چار سو تجھ سے تمام سرخرو
کون ہے وہ جہان میں تیرا جو خوشہ چیں نہیں

جولانگہِ انام ہے تیرا جہاں مقام ہے
چاروں طرف ہیں رحمتیں کوئی وہاں غمیں نہیں

کتنا وہ خوش نصیب ہے جو کہ ترے قریب ہے
کتنا سیاہ بخت ہے جو کہ ترے قریں نہیں

جُز آفتاب بے ظہور رنگ و نگارشِ ظہور
زندگی خوشگوار ہو تیرے سوا نہیں نہیں
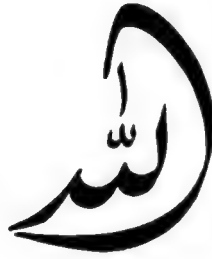
ہاں ہاں اب آدمی کے تقاضے بہت سے ہیں
اوپر تلے گلی میں جنازے بہت سے ہیں

برگد کے زرد زرد ہیولوں کے سامنے
ٹوٹے ہوئے پروں کے ترارے بہت سے ہیں

کس کی شکست کس کی تمناؤں کا لہو
تاریکیاں بہت سی اجالے بہت سے ہیں

جذبوں کی بستگی سے ہے تنظیمِ کائنات
کہنے کا ذوق ہو تو کنائے بہت سے ہیں

امید وہ دبستاں کہ دیکھا نہ جائے ہے
ہونے کو کیا نہیں ہے زمانے بہت سے ہیں

آنکھوں میں وہ چمک ہو کہ دریا بہا نہ ہو
اک تُو ہو آئنہ ہو کوئی دوسرا نہ ہو

ہر آرزو میں ذوقِ تجلی کی شان ہو
بندش ہو ماسوا کی پہ تیرے سوا نہ ہو

ابھرے ہوں چاند حرف دفینوں کی اوٹ سے
بادل کو اوڑھ اوڑھ کوئی جھانکتا نہ ہو

ایسا شدید رنگ ہو نغموں کی جنگ ہو
سینے بھی چاک چاک ہوں جی کھولتا نہ ہو

دل بھی ہو نرم گوش صدائیں بھی دوش دوش
ذوقِ سوال مرحلۂ روح سا نہ ہو

رقصاں ہو رات کہر کے آنچل سے این و آں
دن بازؤوں کی دھوپ سے اڈا خزانہ ہو

آتش تھی تہہ بہ تہہ کہ الاؤ جلا کیے
ایسے میں زندگی کے جنازے اٹھا کیے

اک تُو تھا گرد و پیش تھا حلقہ بہ حلقہ میں
گھبرا گئے تو رنج میں کیا کیا کیا کیے

نسبت تھی اور ہم تھے تقاضوں کا چیستان
کتنی امیدیں کتنے ہی پانی پھرا کیے

جذبوں کی تیرگی مرے احساس پر گری
اندھے مہیب دل مجھے پاگل کہا کیے

کچھ ٹوٹنے کا خوف کچھ اوروں کی وحشتیں
ایسا کڑا سماں تھا کہ سب کی سنا کیے

آخر وہ وقت بھی کہ وہ پردہ دری ہوئی
گم سم حقیقتوں سے فسانے جدا ہوئے

اک دل تھا اور دل کے انوکھے سے رابطے
عازمؔ ہم اپنے جال میں خود کو بنا کیے

خانہ بدوش

لہو کی بوندوں سے کِھلکِھلاتے
وہ بلبلے جن کے برکھا رشتے
کئی دلوں کا سہاگ بن کر
ہزار چہروں سے چھن چھنا کر
ازل کے شعلوں سے لپٹے لپٹے
ابد ہواؤں سے کھلتے کھلتے
جبینِ عالم پہ جم گئے ہیں
ہزار رستے سجھا گئے ہیں

تمام رشتے تمام ناطے
لہو سروں کا حجاب پہنے
کمیں گہوں سے نکل پڑے ہیں
زمیں کی جلوت میں کھو چلے ہیں
فلک کی خلوت میں سبز جنت
لہو کی بوندوں کو دیکھتے ہیں
سفر نصیبوں کے روز و شب ہیں
کہ آنچلوں کی لپیٹ کھا کر
دہکتے گالوں کا بوجھ اٹھا کر
سہاگ پن میں رتیں رچا کر
سلگتی آنکھوں میں نم جما کر
وراگ آنسو بجھا بجھا کر
ازل ابد سے ملا گئے ہیں
ہزار رستے سجھا گئے ہیں
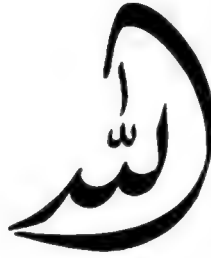
وہ آدمی کہ ہزاروں کو لوٹتا ہو گا
ہزار بار سرِ راہ گھر گیا ہو گا

دِنوں کی سبز کٹھالی میں رات پگھلے گی
رتوں کا زہر بھی گلدان سے جدا ہو گا

سمٹ کے پھیلنا اور پھیل کر سمٹ جانا
قبول و رد کا اسی نہج فیصلہ ہو گا

نہ مدوجزر کی پروا نہ سمت کا دھڑکا
مگر یہ خوف اگر تُو نہیں تو کیا ہو گا

اک انتہا سو گئی اور انتہائیں بھی
مرے حساب سے جو رنگ ہے برا ہو گا
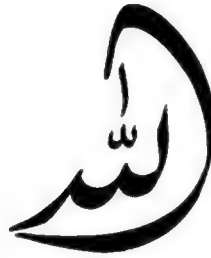
اچھلتے کودتے لمحے گمان کیصورت
کوئی خیال نہ لپکا گیان کیصورت

عجب عجب روشیں عجب عجب گھاتیں
یہ زندگی ہے مگر اک دوکان کیصورت

قدم قدم ہی تقاضا تھا ہر مسافت کا
نشاں نشاں ابھر آیا چٹان کیصورت

یہ گوشت پوست مگر رنگ سرخ رکھتا ہے
ایک ایک بولی پہ بکتا ہے پان کیصورت

ان اتّفاقی ہواؤں سے گلستاں عازمؔ
اجڑ چلا کسی تنہا مکان کیصورت

لہو کا رنگ ہے رستے جدا جدا رکھنا
بجھا ہوا ہے اگر دل تو آنکھ وا رکھنا

یہ ایک کٹیا ہواؤں کا ذہن رکھتی ہے
وہ اک محل کی روایت سجا سجا رکھنا

ثقیل لمحوں کی یادیں اندھیر ہوتی ہیں
تم اپنے ریشمی آنگن کو جگمگا رکھنا

وہ میرے ذہن کی بھیگی رتوں سے الجھا ہے
ہوا کے ملگجی ڈھانچے بچا بچا رکھنا

اگرچہ نور سے ہوتی ہے تیرگی روشن
بہت کٹھن ہے خدا ساتھ ماسوا رکھنا

جزا ہو یا کہ سزا خلق کی نگہبانی
ہر ایک چیز سے منہ موڑ کر خدا رکھنا

اُسی کے ہیں وہ ہمارا ہے اور سب کچھ ہے
وہی نہیں ہے اگر پاس اور کیا رکھنا

کڑی کڑی سے مرکب ہے سلسلہ عازم
جنونِ شب میں دنوں کو بھی مبتلا رکھنا

آرزؤوں کی نگری کنگن کنگن بانجھ پڑی ہے
دشواری پاؤں پھیلائے رستہ روک رہی ہے

مایوسی کی چڑیاں میرا کھیت اجاڑے جاتی ہیں
اے امید کے پنچھی تو کن سبز رتوں کا والی ہے

ہنستی رستی بستیاں صحرائی آوازیں لگتی ہیں
گونج اندھیروں سے چھن چھن کر میرے جی کو ڈستی ہے

دل کی دیواریں بھی گریں آنکھوں کی اڑانیں بھی نہ رہیں
وحشت اپنے پنکھ بکھیرے در در آن کھڑی ہے

ایسی امنگیں ایسے جذبے کالے کوس سمندر کے
تِپ تِپ لہو کے بدلے دنیا اپنا ماس کچلتی ہے

نورگر

ستون ٹوٹ گئے ہیں نگارخانوں کے
اک آدمی ہے کہ سنتا ہے بند کانوں سے

جہت جہت ہے نئے آفتاب کی سرخی
افق افق ہے نئی صبح آسمانوں سے

کپاس پھول کھلے ہیں زمین چھکی ہے
پھٹے ہیں نورگر سبز سبز رانوں سے
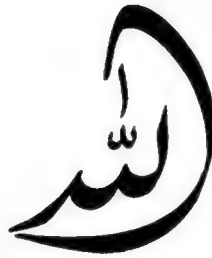
کبھی آسمان کی فکر ہے تو کبھی زمیں کا خیال ہے
یہی رغبتیں یہی وحشتیں نہ جلال ہے نہ جمال ہے

کوئی ایسی چاہ کی راہ ہو کہ سروں پہ سبز کلاہ ہو
کہ یہ سمت سمت خمیدگی نہ فراق ہے نہ وصال ہے

کہیں حرکتیں ہیں دبی دبی کہیں جنبشیں ہیں گھٹی گھٹی
نہ قیام ہے نہ جلوس ہے نہ عروج ہے نہ زوال ہے

کسی دل خدا طلبی نہیں کسی آنکھ خوش نظری نہیں
کسی حال حال نہیں رہا جو رہا سو قال ہی قال ہے

دلِ چیرہ دست کی گرمیاں کہ بسی ہیں خون کی وادیاں
شب و روز دم کا شمار ہے نہ خوشی کہیں نہ ملال ہے

خوشی کے دن ہیں کوئی انتہا نہ کیجیگا
یہ زندگی ہے اسے ناروا نہ کیجیگا

حنائی ہاتھ سے پھوٹی ہیں پیشرو کرنیں
ابھی چراغ جلیں گے ہوا نہ کیجیگا

طلوعِ کشف ہے لیکن غروبِ مکر بھی ہے
بغور دیکھیے کیا ہو تو کیا نہ کیجیگا

بُنے ہیں نور کے جالے بھی ان اندھیروں میں
دل و دماغ کے رستے جدا نہ کیجیگا

چلا چلی کے یہ رشتے بہت ہی نازک ہیں
بھلا نہیں نہ سہی پر بُرا نہ کیجیگا
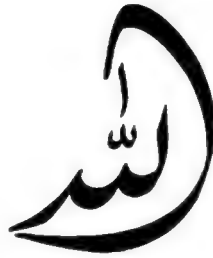
غمکدے اجڑے ہیں من گائے ترانے بھی نہیں
دکھ کے موسم بھی نہیں سکھ کے زمانے بھی نہیں

برزخی چہروں پہ چسپاں ہیں کبابی آنکھیں
حق حقیقت بھی نہیں رنگ فسانے بھی نہیں

ایک طوفان ہے طغیان ہے افراتفری
ناگہاں ناگہاں بچنے کے بہانے بھی نہیں

لفظ پتھر ہیں زباں زرد ہے اور بہرے کان
قلب آسودہ نہیں خواب سہانے بھی نہیں

رنگ بے سمت ، ہوا تند ، بپھرتا پانی
نئے بہروپ ہی کیا روپ پرانے بھی نہیں

اندھے کنویں ، گروہِ خدایانِ کرّ و لال
کوّے اچاٹ اچاٹ کیے جائیں بال بال

یہ چہرہ سازیاں یہ کنول لب نمائیاں
بے رخ غلط درست ہے بیطرح قیل و قال

کیفیتِ نراج ہے یا شاہ کام کاج
اندر کہیں جلال نہ باہر کہیں جمال

نس نس میں سانس نفس کی گنتی لہو لہو
کیا دید کیا شنید ہے کیا قال کیا مقال

تو اپنی چاند رات میں سورج بکھیر لے
میرے لیے مہینہ نہ سال سال

میں کھو چکا ہوں اپنی ہی وسعت کے سحر میں
تو اپنے بازوؤں کو اب اپنے گلے میں ڈال

کیا کیا پرندے سبز رتوں پر ٹھنے ہوئے
نکلے ہیں اپنی چونچ میں تنکے لیے ہوئے

ان راستوں پہ اجڑے سویروں کی رات ہے
ان جھاڑیوں میں سانپ ہیں سب سر کٹے ہوئے

زہریں ہوا لہو کے طمانچے تماش بین
اشکوں میں ڈوبے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے

وحشی نگاہ اور تشفی کے خواب بھی
چہرے پہ آدمی کے ہیں ایٹم جڑے ہوئے

گھر کیا ہے بلّیوں کی سرِ دست کارگاہ
کاٹا کٹی کے شور میں سر کوندتے ہوئے

بے دست و پائیہائے خدایانِ آرزو
مٹی سے چہرے، خوف سے آنسو رُکے ہوئے

رودادِ دار و گیر سہی ایک خواب بھی
جینا درست ہے تو کوئی اضطراب بھی

اک تُو کہ اپنے چند کھلونوں پہ مرمٹا
اک میں کہ میرے سامنے ہیں اور باب بھی

چشموں کے درمیان ہے وہ شورِ العطش
اک راگ سا الاپ رہے ہیں سراب بھی

رنگینیاں ہیں گوشت ہے پُتلوں کا رقص ہے
ناکام بھی ہے خاک بسر کامیاب بھی

اک آگ سی برستی ہے تاروں کے کھیت سے
دوچار ایک فصل سے اب ہے تُراب بھی

سہرا

{ بتقریب سعید شادی خانہ آبادی اشفاق احمد
7 شعبان 1407ھ بمطابق 7 اپریل 1987ء }

معرضِ زیست میں صد لطف و عطا ہے سہرا
ذوقِ تخلیقِ انا ، حسنِ رضا ہے سہرا
وقت آزاد مگر وقت بپا ہے سہرا

زندگی بیم و رجا، کشمکشِ جاں فرسا
اسی نوبت سے یہ اک لمحۂ صد استغنا
گرم شاموں سے ہوئی صبحِ مبارک برپا
ماضی و حال سے بڑھ کر ہے امیدِ فردا
سر پہ اشفاق کے ہاں آج لگا ہے سہرا

اے بہارو! بھری برسات کے موتی لاؤ
اس حمیرائی تقدس پہ نچھاور کر دو
اے پرندانِ خوش آہنگ! کوئی نغمہ ہو
اس گلِ تازہ مراعات کو مسحور کرو
حسرت آرامی و نایافتہ کامی چھوڑو
دوستو! چہرہ بسہرا کیطرف تو دیکھو
رنگ اور نور کی خوشبو میں بسا ہے سہرا

اے مرے دوست! یہی وقت ہے تنہائی کا
کھیلتی ناچتی ہمرنگ شکیبائی کا
بدلے آہنگ میں اک رنگ ہے بینائی کا
تیرا چہرہ وہی چہرہ ہے تمنائی کا

تیرے رخ پر یہ سماں جذبِ شناسائی کا
خواب ہے مادہ پرستانِ کلیسائی کا
یہی اخلاص، یہی جذب بہن بھائی کا
یہی نذرانہ مرے فرطِ پذیرائی کا

انہیں جذبات کے پھولوں سے بُنا ہے سہرا
کیفِ احساس کی لے میں یہ لکھا ہے سہرا

سالہا سال رہے تیرا سلامت سہرا
پھول پھولوں میں رہے تا بہ قیامت سہرا

تُو جواں بخت رہے شاد براہِ سہرا

اُن نگاہوں کا پاس بھی کچھ ہے
دل ہمارا اداس بھی کچھ ہے

زندگی ہائے زندگی پیاری
آس بھی کچھ ہے یاس بھی کچھ ہے

روح کے برگدی جزیروں میں
سنسناتی کپاس بھی کچھ ہے

رنگ ہے اور سلسلے باہم
اوس بھی کچھ ہے گھاس بھی کچھ ہے

شِکم پارہ سراب آوارہ
بھوک بھی کچھ ہے پیاس بھی کچھ ہے

یونہی تنہائیاں نہیں ہوتیں
ذات میں آس پاس بھی کچھ ہے

آنکھ پھیلے تو جی نہیں کڑھتا
تیرگی میں قیاس بھی کچھ ہے

بن جیئے موت موت کو آئی
زندگی کا لباس بھی کچھ ہے

لوگ مرتے ہیں بے مرے عازم
جینے والوں کی باس بھی کچھ ہے

دل نہیں ، آنکھ نم نہیں کوئی
غم یہی ہے کہ غم نہیں کوئی

ظرف خالی ہے حیرت افشردہ
جسم باقی ہے دم نہیں کوئی

رستہ بھٹکے ہوؤں کا رستہ ہے
جام ٹوٹا ہے جم نہیں کوئی

جبکہ رگ رگ ہے تیرگی مسکن
لذتِ بیش و کم نہیں کوئی

تُو نہیں دل نہیں سرور نہیں
میں نہیں کوئی ہم نہیں کوئی

بن ترے آدمی نہیں کوئی
آدمی کا بھرم نہیں کوئی

کار فرما ہے اصطفائے ازل
بے مقدر کرم نہیں کوئی

دینے والے کی دین ہے عازم
خود سے خود منتظَم نہیں کوئی

قلم کلام نہیں شوخیِ سلام نہیں
رتوں کی بات نہیں منظروں کا نام نہیں

میں آسمان ہوں وسعت کے ان جزیروں کا
قریب و دور مرے سنگ اہتمام نہیں

نچوڑ ڈالا ہے کس نے لہو زمانوں کا
چلا چلی ہے وہی ، لذتِ خرام نہیں

بچھا ہے رنگ اشاروں کی رقصگاہوں کا
صباح اپنی نہیں کوئی اپنی شام نہیں

نظر نظر ہے دھواں آتشیں حباب بدن
لہو کا نام تو ہے زندگی کا نام نہیں

روشنیوں کا بوجھ اٹھائے کوئی
آئے اور آئے بن بلائے کوئی

دیوتاؤں کے شہر ہیں سارے
موت آئے تو آئے جائے کوئی

سانپ سینے میں ہاتھ گلدستے
آنکھ دیکھے تو کیا دکھائے کوئی

کھیت پیاسے ہیں اور کنوؤں کے سنگ
حلقہ در حلقہ گھوم آئے کوئی

پردہ داری جنون ہے سب کا
منہ سے بولے نہ دل جلائے کوئی

ہر کہیں شورشِ طرفداری
کیا سنے اور کیا سنائے کوئی

دل میں کیونکر لہو اترتا ہے
آزمائے کو آزمائے کوئی

عازمِ اطراف کا ہوا سودا
کیا قدم ہے کہ ڈگمگائے کوئی
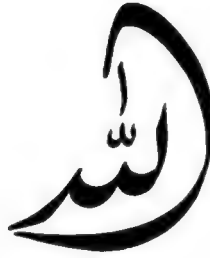
دل پر ہوا کا بوجھ ، تڑپ دھڑکنوں میں ہے
میں ہوں کہ میری ذات ابھی جنگلوں میں ہے

گرمی ہے اور آگ میں ناچے ہے تن بدن
دکھتا ہے گر خدا تو یہی سردیوں میں ہے

حیرت ہوئی طلوع پہ اس تیرگی کے ساتھ
راتوں میں رات ڈوبی ہوئی دن دنوں میں ہے

یہ واقعہ ہے مصلحت افسردگان کا
بھونچال خشکیوں پہ قضا پانیوں میں ہے

سنتے ہیں ہم روایتِ خون و بدن ہے ایک
ہر چند اختلاف بہت راویوں میں ہے

رقصِ مرگ

شیشے کے ایوانوں میں تم اپنے سوا کیا پاؤ گے
چاروں سمت وہی اک صورت رنگ وہی تنہائی کا
رات اور دن تو گذرتے جاتے ہیں خوابوں کے اندھیروں میں
سورج نکلے یا ڈوبے وہی ناگن زہر جدائی کا

بے سمتی ہے بے راہی ہے جنگل گھنے اَماوَس کا
اڑ اڑ پنچھی تھک ہارے ہیں کوئی مقام قیام نہیں
پیلا فلک ہے پیلی زمیں ہے پیلے چاند ستارے
موت کی رقصگہیں ہیں رقاصوں کا نام کلام نہیں

کس سے بولوں کس کو پکاروں کس سے دل کی بات کہوں
آوازوں میں کھو جاؤں یا گھوم گھوم کے مرجاؤں

اب اور تب

گذرے دنوں کی یاد میں پہلی ادا نہ تھی
جیسا کھلا مکان تھا ویسی ہوا نہ تھی

دھرتی کے ذرّے آبلے پاؤں میں بن گئے
گہرے سمندروں میں بھی کوئی وفا نہ تھی

ہر سمت ایک بھول بھلیوں کا باب تھا
دن رات ایک سے تھے جزا اور سزا نہ تھی

بہرے تھے کان کور تھیں آنکھیں زُبان گنگ
احساسِ ناروا نہ تھا ہوشِ روا نہ تھی
ناجنس اور جنس کا میلہ تھا شش جہات
اِک شور ایک زور تھا یادِ خدا نہ تھی

رگہائے وقت سرخ ہیں قرنوں کے خون سے
تہذیب کے گذار سماجی جنون سے
اب کائنات ڈوبی ہوئی ہے علوم میں
انسانیت کا رس ہے ٹپکتا فنون سے
ارض و سما کی راحتیں آسائشیں تمام
نکبت کے دیو بھاگے معاشی فسون سے
کچھ ولولے ہیں چاند ستاروں کا کھوج ہے
کچھ خواہشیں کہ لپٹی ہوئی ہیں سکون سے
فرصت ہے وہ کہ آنکھ ٹھہرتی نہیں کہیں
لذت ہے وہ کہ کشف ہے ذوقِ درون سے

صدیوں کا رَس نچوڑ کے دامن بھرا ہوں میں
میری نمود دیکھ کہ لامنتہا ہوں میں

پھر بھی درونِ خانۂ ایام سے صدا
آتی ہے بار بار کہ از بس ہوا ہوں میں
بے راگ ایک گونج سی اٹھتی ہے روح سے
ہیہات تب جہاں تھا وہیں اب کھڑا ہوں میں

انقلاب

وہ آفتاب ڈھل چکے
کہ جن کے نور سے بجھے
چراغ جھاڑ بوٹ کے
ظلامِ شب کے قہقہے
وہ نفرتوں کے دیو سے
وہ وحشتوں کے دبدبے
وہ دہشتوں کے طنطنے
خروجِ نظم و ضبطِ انس کا اک اہتمام ہے
اک اجنبی سی اوٹ کا زباں پہ نام عام ہے

وہ ماہتابِ دُرفشاں
سکون و امن کا جہاں
دل و نظر کا امتحاں
تجلیوں کا ارمغاں
گیان دھیان کا پاسباں
عروجِ انس کا نشاں
خروجِ جِنّ کا بیاں
وہ غرق ہو چکا ہے گہرے تیرہ تیرہ غار میں
اندھیر اندھیر راستوں کے بدگماں غبار میں

نظر کہ دیکھتی نہیں
گداز کی نمی نہیں
سرورِ بندگی نہیں
بہارِ زندگی نہیں

سکون و آشتی نہیں
امان و امن بھی نہیں
نہیں ہے آدمی نہیں
سرائے شور و شر ہے اژدحامِ ذلّ و زال ہے
زمیں تا آسمان اک لہو بدن کا مال ہے

میں سوچتا ہوں دمبدم
کہ انتہا پہ ہے ستم
لہو کے چیتھڑوں میں نم
ہوا ہی چاہتا ہے کم
بدن کی وحشتوں کا دم
پیئے گا شربتِ الم
جھکے گی شاخِ رنج و غم
کھنچے گا نقشۂ ارم
صدائے انقلاب میں سیاہ ڈوب جائے گا
سفید و سبز کے سریر سے سرور آئے گا

پھرے گا پھر وہ آفتاب
چڑھے گا پھر وہ ماہتاب
وہ نور و رنگ کی کتاب
کھلے گی پھر سے باب باب
وہی ظِلام کا نصاب
بنے گا آخر احتساب
وہی برائے اجتناب
رہیگا آخر انتخاب
شبِ اماں سے پھوٹتے رہیں گے دن سرور کے
عصائے انکسار سے جھکیں گے سر غرور کے

تیرے انوار جب تلک نہ پڑیں
ہم برابر ہے کچھ کہیں نہ کہیں

تیرے دیکھے سے دیکھنا ٹھہرا
تُو دکھائے نہ جب تو کیا دیکھیں

بات تیری کلام بھی تیرا
تو نہ بولے اگر تو کیا بولیں

کور مغزی ہے لطفِ لاحاصل
دل کی پیچیدہ گرہ کیا کھولیں

میری راتیں ہیں چاند کی پیاسی
دن مرے آفتاب کو ترسیں

ہم اندھیرا ٹٹولنے والے
کیا اجالوں کو رنگ پہنائیں

اے لطیف و کریم! اے رحمٰن!
اک نگاہِ کرم کہ لب کھولیں

بات مقبول بارگاہ میں ہو
حسبِ ارشاد جو کریں سو کریں

ہم نہیں مانتے کوئی کیا ہے
جب بھی دیکھیں تجھے دیکھیں

حق ہے عازم الیہ راجعون
غیر کی سمت کیوں نگاہ کریں

تلاش

راتوں کے رنگ دن کے فسانے گذر گئے
وہ صحبتیں گئیں وہ زمانے گذر گئے

پل پل کا جوڑ توڑ ہے صدیوں کی کھیپ سے
گنتی سی رہ گئی ہے خزانے گذر گئے

پکڑے ہے رنگ اب مری رگ رگ میں انکی یاد
وہ ماہ و سال کیا تھے نجانے گذر گئے

اب جی کا کھولنا ہے لہو کی پکار ہے
مل بیٹھنے کے وقت سہانے گذر گئے

جیؤں تو اپنے سینے کو کس آگ سے بھروں
مر جاؤں تو یہ آگ کہاں سے طلب کروں

مجھے ان تتلیوں کے پیچھے پیچھے بھاگ جانا ہے
انہی رنگوں سے دامانِ سیہ کو جگمگانا ہے

مری اک عمر تاریکی کی پیراکی میں گذری ہے
سمندر سے کوئی اب گوہرِ تاباں بھی لانا ہے

ابھی زنجیرِ خواہش دل کو کھل جانے نہیں دیتی
چراغِ آرزو کو وقت کا پہلو دکھانا ہے

اڑے جاتے ہیں لمحے وقت کی آئینہ بندی میں
ابھی رعنائیِ قلب و نظر کا بھید پانا ہے

ابلنا ہے ابھی اندھے کنوؤں کو یم بہ یم عازم
زباں کی پیاس، دل کی آگ کا دوزخ بجھانا ہے

سماں

وقت کے گہرے گہرے اندھے دھاروں پر
تنہائی کے آسیبوں کا پہرہ ہے
چاندنی ہے یا دھوپ کڑکتے سورج کی
گھبرایا گھبرایا سا ہر چہرہ ہے

میں پوچھوں یہ کس راوی کا دھانہ ہے
لوگ کہیں سو یہ سب آنا جانا ہے
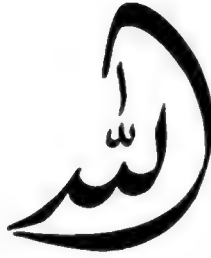
ابھی تلک وہی پیراکیِ یمایم ہے
وہی وظیفۂ غوّاصیِ دما دم ہے

نشیب سے ہی سہی آرزو فراز کی ہے
قریب و دُور میں رنگ ارتباط کا غم ہے

فروغِ زیست کی حالت عجیب حالت ہے
بدن گریز ہے دل ہی نہ آنکھ پرنم ہے

تمہارا ذکر ہے خورشیدِ عیدِ امکانات
بندھی ہوئی ہیں امیدیں کہ حال برہم ہے

گماں کی ساکھ میں افسوس کی فسوں کاری
یقیں کی شان میں **لاتقنطُوا** کا عالم ہے

ترا کرم ترے عازم پہ ہے بہت ورنہ
کہاں کہاں کا زمانہ، کہاں کا دم خم ہے

لمحات

اے چمکتے دمکتے لہکتے ستارے !

تجھ کو معلوم ہے کتنی صدیاں بہی ہیں

اس سمندر کے پیلے سے بھیگے کنارے

لہر در لہر ہنگامۂ رستخیزی

رَو بہ رَو میرے لمحات کی خون ریزی

میرے لمحات !

جو شاید اب تک سلامت ہیں

میرے لہو خون پانی میں

اب تک سلامت

صد بہ صد سالہا سالہا اس سمندر کے نیلے سے بھیگے کنارے
ایستادہ کبھی گمشدہ اور دریافتہ
گمشدہ اور دریافتہ
اپنی تہذیب کے کشت وخوں دائروں میں گھرا
پتھروں کی چٹانوں سے نایاب سیپوں کو چنتا
اپنی تاریخ کو صبحِ تخلیق کے آئنے میں جلا کر
دیکھتا ہوں تجھے پہروں پہروں تلک
کہ ابھی تک
تجھ میں شاید محبت کی کچھ روشنی ہے
جو مجھے کھینچتی ہے
اُس کنارے سے

لیکن
یہ کنارہ ہے میرا کنارہ
اس کنارے سے آگے

مجھ کو چلنا ہے!
لیکن کہاں؟

یہ سمندر ہے میرا
اور یہ لہریں ہیں میری
یہ رویں مجھ سے ہیں
میری آغوش میں
قلبِ خاموش میں
ان کو میں چھوڑ دوں
ان سے منہ موڑ لوں

میں بدل ہی نہ جاؤں
بدلتے ہوئے
میرے لمحات اب تک سلامت ہیں
سلامت رہیں گے

اے چمکتے دمکتے لپکتے ستارے!
میری صدیوں کو دیکھا ہے تُو نے
میری ہنگامہ آرائیوں کو
میری سب فتنہ سامانیوں کو
مجھ میں اک نور ہے
شعلۂ طور ہے
میرے لمحات
سارے سلامت
اور میں ایستادہ
اس سمندر کے پیلے سے نیلے سے بھیگے کنارے
دیکھتا ہوں تجھے
اپنی تاریخ کے مخملیں آئنے میں
اترتا ہوا اپنے لمحات میں

دیکھتا چارسو

شش جہات

اے چمکتے دمکتے لہکتے ستارے!

میری جانب نظر

میرے لمحات ہیں

اور

میں ہوں

زندہ پائندہ تابندہ رخشندہ تر

زندہ جوئندہ جوئندہ جوئندہ تر

کیا شکایت کیا حکایت کس پہ پتھر پھینکنا
بدلے وقتوں میں کوئی پھولوں کے اخگر پھینکنا

میں نہیں مجھ سے نہیں میرا نہیں کوئی نہیں
میّتوں کا سنگ ہے اندر سے باہر پھینکنا

رنگ رنگت میں کشش ہے پر کچھ ایسی بھی نہیں
خاک سونے کی اگر ہو اُس کے سر پر پھینکنا

بے حسی بھی جم گئی ہے بیکسی کے داغ پر
بوڑھے زخموں پر بڑی شدت سے نشتر پھینکنا

جل اٹھی ہے آنکھ عازم خون مہکا جائے ہے
زندگی کا جال مرقد کے برابر پھینکنا

نغموں کے سمندر میں ڈوبے اپنے سے شکایت کرتے ہیں
کچھ غم جو ابھرنے لگتے ہیں خوشیوں کی حکایت کرتے ہیں

اپنوں کیلئے کچھ کر نہ سکے غیروں کا سنواریں ہو نہ سکا
اے کاش کبھی یہ کھل جاتا ہم کس سے محبت کرتے ہیں

سچ پوچھو تو یہ المیّہ ہے اپنی ہر رام کہانی کا
جو سن نہ سکے جو کہہ نہ سکے سو اُسکی وضاحت کرتے ہیں

کیوں وقت کی چابک رفتاریں پائل کی گندھی چھن چھن سے ملیں
یہ دنیا والے دنیا پر دنیا کی عنایت کرتے ہیں

یہ باسی بانجھ سویروں کے یہ لوگ گھنگور اندھیروں کے
جیتے ہیں کہ مرنے والوں کو پابندِ ملامت کرتے ہیں

عازمؔ یہ بیابانی جنگل ویران سے چہروں کا دنگل
سب روتے روتے جیتے ہیں اور موت سلامت کرتے ہیں

پانی سے آگ، آگ میں پانی کی تاب ہو
اے کاش کوئی دن کہ دعا مستجاب ہو

ٹوٹے نہ سلسلہ مرے جذباتِ کیف کا
رنگوں کی صبح تا بہ ابد آفتاب ہو

یہ بھوک پیاس گہرے سمندر کا روگ ہے
اب اک نگاہ وقفِ خُشوُعِ سحاب ہو

دیکھے ہیں ایسے لمحے بھی اس دوڑ دھوپ میں
جب شرحِ احتساب عدم احتساب ہو

ناکامیوں نے کاہشِ ہمت کی داد دی
خواہش کا امتحان مگر کامیاب ہو

کچھ خود پرستیاں ہیں تو کچھ خود نمائیاں
حرص و ہوا کے شور میں کیا انقلاب ہو

امید کی فضاؤں میں عازمؔ ہے اضطرار
ممکن نہیں شمار میں ہر شیخ و شاب ہو

کیا دیکھوں بھالوں جاؤں کدھر مری اپنی غرض مجھے رام کرے
مرے من میں وہی صدیوں بیتی اندھیری نگریا مقام کرے

ہر صبح اُبالے خون مرا اور شام اٹھائے دھواں ہی دھواں
کوئی ایسی صبح کرے دیکھے پھر دیکھے تو ایسی شام کرے

بے آب و گیاہ سیاہی ہے، شُوشُو کی آندھی سے پیڑ ہلیں
اب ایسے کنواں جنگل میں کوئی آتا ہے تو آئے کام کرے

مری آرزوئیں مری جستجوئیں دلہن کی چمک چندن کی دمک
پہ یہ ایک خیالِ شام و سحر مجھے کیا کیا دام غلام کرے

یہ دھرتی تو مجھ کو چھوڑ چلی وہ دیکھو ہوا اوپر کو چڑھی
مری سانس ستاروں میں ڈھل کر کہیں اور مقام قیام کرے

تاثیر

ستم افلاس ، ناداری دھماکے
یہ تحفے ہیں جنوبی ایشیا کے
حضوری جی حضوری سر سلامت
ثمر اللہ جمہوری عطا کے
سیاست گستراں فصلی بٹیرے
زباں رکھتے ہیں سو نعرے بلا کے
کوئی کوشش اگر ہے تو عصا کی
اگر کچھ مسئلے ہیں تو انا کے

گماں ویران جنگل کے یہ باسی
بناتے ہیں عجب رنگین خاکے
ہوئے جب سے شہیدِ حیطہ سازاں
بتوں میں کھو گئے بندے خدا کے

انہیں بتلائے کون اچھے سبھا سے
یہ نعرے ہیں تمہارے خوں کے پیاسے
یہ نوری لفظ ظلمت بولتے ہیں
مِٹا دو ان کو قرطاسِ بقا سے

رہے رہے تو یہ جالوں کی زندگی کب تک
ہمارے گھر کی سراسیمہ روشنی کب تک

کہیں تو ملتا کبھی کوئی ہم سرشت مرا
مرے قریب یہ مریخ آدمی کب تک

جو ہاتھ دل پہ پڑا ہے وہ اٹھنے والا ہے
لہو کی آنچ بجھاتا رہے کوئی کب تک

جو خار دل میں چبھے ہیں وہ گل کھلائیں گے
زباں کے آبلے روکیں گے ان کہی کب تک

رتوں کی سیج پہ مہکے گا آفتاب نیا
کھلیگی رات کے بستر پہ چاندنی کب تک

اللہ

بارشوں کے سنگ آئینے کو پھیلاتا ہوں میں
پیلے پیلے بادلوں میں گم ہوا جاتا ہوں میں

پھیلتے رنگوں سے مل جاؤں تو گھبراتا ہوں میں
موسموں کے تانوں بانوں سے الجھ جاتا ہوں میں

لذتِ رقصِ حبابِ آرزو زندہ رہے
چیختی سانسوں کے طوفاں میں کھنچا آتا ہوں میں

وہ تمہاری بات تھی کہنے کی اور سننے کی تھی
پوچھتا ہے کون، ورنہ، کس کو بتلاتا ہوں میں

میں شجر ہوں میری شاخیں پورے ویرانے پہ ہیں
گرم خُو ٹھنڈی ہواؤں سے ہی ٹکراتا ہوں میں

دیکھ کر مجھ کو مچلتی ہے عروسِ زندگی
تیرگی کو روشنی کے چاند پہناتا ہوں میں

کیا نہیں ہے میں نہیں ہوں یا مرا سایہ نہیں
اس نہیں کے باب میں حاشا نہیں جاتا ہوں میں

ترے بغیر نہیں راہ جو نہ ہو مسدود
تُو ایک وہ ہے کہ سب راستوں کا ہے مقصود

یہ بات دل کی مجھے راس آگئی آخر
کہ ذوق اپنی حدوں میں رہا ہے لامحدود

قرینہ ہائے ادب کا یہی مقام تو ہے
کہ التفات سے توڑا گیا ہے دل کا جمود

یہ انتظار کی کیفیتیں ہیں خورشیدی
ترا کرم ہے کرم کی نگاہ کا ہے سُعود

میں کیا ہوں تجھ سے ہوں جو کچھ بھی ہوں مرے آقا!
تیری عطا ہے عنایت ہے اور یہ مسعود

علیہ السلام

سرِّ جہات

عرصۂ کائنات میں نورِ حیات ہیں حسین
کفر و ضلال و زلّ میں رُشدِ صفات ہیں حسین

شرحِ کتابِ زندگی بسطِ کلامِ بندگی
عہد بہ عہد دم بدم حرفِ ثبات ہیں حسین

جرأت و صدق بے عدیل حق و یقین بے مثیل
آئنۂ حقوق میں صورتِ ذات ہیں حسین

دجلۂ شرم و آگہی صبر و رضائے مصطفیٰ
مسندِ اختیار پر موجِ فُرات ہیں حسین

آرزوئے زماں حسین جستجوئے مکاں حسین
لمحوں کی آبرو حسین سرِّ جہات ہیں حسین

درجہ درجہ سینہ سینہ ایک بے چینی سی ہے
جذبِ سوزِ آگہی ، وارفتہ تنہائی سی ہے

یاد کے گنبد فضائے ذوق سے مہکے رہے
فاصلوں میں ایک ترتیبِ فراوانی سی ہے

ربط کی صورت میں بھی ترکیب کی الجھن رہی
ورنہ تا حدِّ نظر کھلتی ہوئی وادی سی ہے

لمحہ لمحہ سوچ زینہ زینہ طے کرتی گئی
ذہن کی تصویر گویا صبحِ بادامی سی ہے

کون اترا ہے مکاں میں لامکانی اوڑھ کر
درد کی لذت غنودِ شام سے ہلکی سی ہے

روشنی دیکھ کے اک حشر بپا کرتے ہیں
لوگ بے ذوق طلبگار ہوا کرتے ہیں

ان فضاؤں میں نہ جانے کہ ہے کیا سحر کشید
خوں ٹپکتا ہے تو بارش کی دعا کرتے ہیں

سرخیِ ابر سے ظاہر ہے ہوا کی تعبیر
ہم غلط کیا ہیں صبا خواب بُنا کرتے ہیں

دل بہلتا نہیں آنکھوں پہ انگلیاں رکھکر
منظروں منظروں دوچار ہوا کرتے ہیں

ہائے خاموشیِ دل! بوجھ سے پاگل نہ ہوئے
بولتے ہیں تو وہی لفظ چُنا کرتے ہیں

دائرے صبر کے سمٹ جائیں
وہ ملیں رنگ و نور پھیلائیں

اُن کے ہو کر رہیں وہ اپنائیں
ایسے آئیں نہ پھر کبھی جائیں

آنکھ چٹکے لہو گلاب کھلے
وہ جب آئیں تو پھول برسائیں

اُن کو دیکھیں انہیں کو دیکھ سکیں
غیر کو نگہ نگہ جھٹلائیں

چشم و دل گوش گوش مُسکائیں
ہم سنیں اور آپ فرمائیں

تجھ کو پائیں تجھی میں کھو جائیں
ایسے کھو جائیں دائمًا پائیں

شوقِ تسبیح ، ذوقِ عجز و نیاز
عطرِ تسکین سے مہک جائیں

شام کے سرمئی جزیروں کو
آرزؤوں کے چاند پہنائیں

تن بدن ہے کہ محوِ فردا ہے
چشم در چشم خواب لہرائیں

ولولوں کی اٹھان ہے عازم
پاؤں آنکھوں کی سمت سلجھائیں

رُت کی چنتا

سب نے شاید دیکھا ہی ہے
چلتے پانیوں کے رنگیلے موسم کو
ڈوب ابھرتے تنکوں
ناچتے گاتے چھلکوں
مہک مہک گدلاہٹ
جسموں کی اکتاہٹ

چلتے پانیوں میں ان بہتے خزانوں کو
سب نے شاید دیکھا ہوگا

پھر سوچا بھی ہوگا
انسانوں کی گیرائی میں
جلتے ارماں
جھومتے ساماں
بولتے صفحے
گھوم گھماتے
جب اٹھنے بیٹھنے والوں کے دامن سے الجھ کر
بندھے ہوئے کانوں کی کلغی میں سج دھج کر
جب اپنی گدڑیا ڈھونڈنے لگتے ہیں
اور سمٹنے لگتے ہیں
فصلی بٹیروں کی صورت

بس ایک ہی کھیتی کی مورت
اپنے بنائے دائروں کے اندر
ٹوٹے پھوٹے بوسیدہ سے مندر
عبد عبادت پوجا بن کر
شاید خود کو کھو کر
جاگتے جاگتے سو کر
رنگ میں رنگ سمو کر
پانی آگ بِلو کر
بہہ جاتے ہیں
پانیوں کی گہرائی میں
بلّوریں تنہائی میں
چاندنی رات کی کھائی میں
رنگیلے موسم کی سرد اکائی میں

یہ موسم کی باتیں ہیں
برفیلی سوغاتیں ہیں

گھل گھل کر بجلی کی چمک، بادل کی دہک میں مل جاتی ہے
برساتوں کے سندر دھاروں، سیمیں نظاروں میں آگ لگاتی ہے
یہ آتش
یہ آگ سمندر
لمحوں کی انہونی بوسیدہ سی نئی نویلی دنیاؤں میں
بندھن راگ بجا کر
کسی کنارے، کسی سہارے، پالک روپ تمناؤں میں
سنگت سنگ لگا کر
کھولتے ناچتے گاتے موسم مارے خون کو مہکاتا ہے
اپنی لہروں کے بیداغ سنہری آنگن کے پہلو میں
تنکوں، چھلکوں، کھلتی بند ہوتی پلکوں کی خوشبو میں
پاؤں کی جنبش، جھومتے سر کے اندھے خواب چھپاتا ہے
بانجھ سویروں کے جب نرم دوپٹے سر سے سرکنے لگتے ہیں
پگڑی کے سرخاب کڑکتی دھوپ میں جب اڑنے لگتے ہیں

وقت کی سان پہ چڑھے ہوئے سب شیش محل

اپنے ہی خود آئینوں کا زیور بن جاتے ہیں

صورت کی سُپنا نگری میں

سینوں کے بل رینگ رینگ کر دل کا بوجھ اٹھاتے ہیں

صورت نگری

مورت گیری

سرخاب اڑاتی پگڑی

سر سے سرکتے نرم دوپٹوں سے لپٹا الجھا کر

آگ سمندر رنگیلے موسم کو اوڑھ اوڑھا کر

نیند کی گہری لچکیلی انگڑائی میں

صبحوں کے خورشیدی پھول پہن کر

لمحوں کی جھنکار سے جھوم جھنن کر

صدیوں کی پازیب سے دل دل سن کر

گھونگرؤوں کی آنکھ سے پلکیں چن کر

وقت کے چندن روپ کی البیلی پہنائی میں
چلتے چلتے دیکھتے دیکھتے
پیچھے رہتے خود کو چھوڑتے
آگے دُور نکل جاتے ہیں
ازل ابد کی گیرائی کو مہکاتے ہیں
دنیا کو للچاتے ہیں
اور اپنا راگ سناتے ہیں
بہتے پانیوں، جسم کے میلوں میں یہ راگ سہانا
جلتے موسم کے دامن میں صورت کا لپٹانا
کون سُنے اور کون سنائے
سن کر کون بجائے
صورت مورت جل اٹھتی ہے
اکھین آگ ابل پڑتی ہے
سب کو اپنے من کی نگری میں رہنا ہے

موسم کی رنگینی میں رہنا سہنا ہے

ورنہ

راگ کی دنیا ہی اپنی ہے

جو سنتا ہے

سوچُنتا ہے

اپنی کایا

اپنی مایا

میں رہتا ہے

موسم کی رنگت میں پانی کی سنگت بہتا ہے

صدیوں کے پنجے میں

وقت سے سینہ تانے

اپنے رنگ نکالے

رنگ سے رنگ ملائے

کوئی سنے اور کوئی سنائے

راگ سہانا

ساز خزانہ

رنگ ترانہ

کوئی سنے اور شاید سُن لے

اپنے آپ کو خود سے چُن لے

بحضور

مرشدی پیرِ طریقت

حضرت سیّد محمّد انور جیلانی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شب نے اوڑھی ہے ستاروں کی سنہری چادر
ہالۂ نور فدائے رخِ لیلائے قمر

نخل اور پھول ہیں یا ہاتھ میں حوروں کے چراغ
محوِ گردش ہے زمیں جیسے فرشتوں کے بھنور

صبحِ انوارِ محبت ہے ، بہارِ عرفاں
برگ در برگ رواں سرِّ نہاں کا عنبر

موج در موج اٹھا بحرِ عطا کا پانی
اور شاداب ہوئی جو بھی زمیں تھی بنجر

وا ہوئی معدنِ الطاف و کرم، کیوں نہ ہو
جلوہ آرا ہیں مرے پیرِ مکرم انور

مرشدِ راہنما ، پیرِ طریقت ، کامل
فلکِ آلِ محمد کے وہ نوریں اختر

مرکزِ بخش و عنایاتِ علی و حسنین
غوث الاعظم کی عطاؤں کا مدامی محور

فقر ساگر کے شناور، دمِ غیرت کے امیں
دامنِ پاک میں غلطاں ہیں دفینائی گہر

چشمِ آئینہ صفا، حسن بشرطِ اِفراد
عطرِ جاں، قلبِ وفادار بجسمِ اطہر

آئینہ بندِ صدور اُن کی نگاہِ تزئین
پھیلتی ہے تو ہر آئینہ ہزاروں مظہر

دلِ بیتاب جہاں دیدہ و حیرت ساماں
پردے اٹھ جاتے ہیں افشا کے عطیّے دیکر

میرے آقا، مرے مالک، مرے مولا ہاں ہاں
آپ ہیں آپ عطا کار عطا کے ساگر

میں خطا کار مگر آپ کا ادنٰی سا غلام
بس زمیں بوس قدم بوس پڑا ہوں در پر

مانگنے کا بھی سلیقہ نہیں گرچہ مجھکو
آپ ہیں عفو و عنایات کے لیکن خوگر

ناشگفتہ دل و جاں، سینۂ نادیدہ جہات
سخت شرمندہ ہوں اپنی تہی دامانی پر

آرزوئیں بھی تمنائیں مری خواہشیں بھی
تیرہ بختی سے الجھتی ہیں برنگِ خاور

اک نوازش کی، عنایت کی نظر میری طرف!
کھول دیں مجھ پہ بھی الطاف و کرم کے دفتر

علم و اسرار کی بارش ہو رچاؤ کیساتھ
لذتِ عشق نکھارے مرے عرفاں کے شجر

آپ دیتے ہیں یقیناً سو مجھے بھی دے دیں
یہ فضائل ، یہ خزائن ، یہ عطا کے جوہر

اپنے عازمؔ کیلئے کوئی نوادر آقا!
بات بن جائے کھلیں رنگ مظاہر آقا!

اللہ

بند آنکھوں میں سما جاتے ہیں منظر کیا کیا
خوف و امید کے بے ساختہ لشکر کیا کیا

جب بھی دیکھا اُسے پہلے سی نظر سے دیکھا
ذات پھیلی تو ابھر آئے ہیں مظہر کیا کیا

رونقِ مرگ مگر سہمِ حفاظت توبہ!
ہم سے پوچھے نہ کوئی ہوتا ہے گھر گھر کیا کیا

خون مہکا ہے تو سیلاب امڈ آیا ہے
فطرت آلائشیں چُنتی ہے اٹھا کر کیا کیا

لاکھ دریا بہے، لہروں کی روانی نہ گئی
اپنے دامن میں چھپا رکھتے ہیں ساگر کیا کیا

کم رہی ذکر سے اظہار کی لذت عازمؔ
سوچتے سوچتے گذرے ہیں سخنور کیا کیا

علیہ السلام

غوث الاعظم

غوثِ عظیم نورِ چراغانِ مصطفی
حق ہے کہ آپ غیرتِ ایمانِ زندگی

اے آفتابِ نورِ نبوت کی روشنی
اے ماہِ اہلِ بیتِ منور کی چاندنی

وارفتہ انکسار خداداد اختیار
رنگِ کمال سے ہوئی تصویرِ بندگی

اقلیمِ این و آں جہاں تُو ہے براجمان
سارے سکندروں پہ ہے تیری سکندری

اے عترتِ رسول کے رخشندہ ماہتاب
خورشیدِ اولیا تری برحق ہے برتری

تیری فضیلتیں، ترے اوصاف گونا گوں
تیری عنائتیں ہیں کہ فصلیں بہار کی

ہے فخرِ شانہ شانہ ترا پائے ارتفاع
جھکتی ہیں جسکی دھج کیلئے گردنیں سبھی

ظلِّ رسول! سایہ ترا عنبرِ وِداد
باغِ علیؑ و فاطمہ کی عطرداں کلی

اے غوث! تیری رفعتیں عجزِ قیاس ہیں
حسنین کے گلاب! تری خوشبوئیں کئی

محبوبِ مصطفیٰ ہے تو محبوبِ کبریا
یعنی تموّجاتِ عطا کی ہماہمی

میں تیرا خاکسار بدامانِ استعان
غیثِ غزیر ہو مری کھیتی ہری بھری

تیرا مرید ہوں میں تہی دست کیوں رہوں
مانا کہ کمتریں ہوں پہ نسبت بہت بڑی

اس نسبتِ عظیم کی لاج آپکو ہے زیب
پوری کریں گے آپ ہی سب حاجتیں مری

آقا کرم کی ایک نظر مجھ حقیر پر!
رحمت کی اک نگاہِ مدام اس فقیر پر

علیہ السلام

علی مولا علی

علی مولا علی ہیں — وہ جو بھی ہیں وہی ہیں

وہ جانِ بندگی ہیں — نشاطِ زندگی ہیں

کوئی مانگے تو مانگے — وہ خود دریا دلی ہیں

وہی سرِّ ولایت — طریقت آگہی ہیں

وہ مہر و ماہ و انجم — سراسر روشنی ہیں

درخشندہ ستارے — درخشانِ علی ہیں

وہ بابِ شہرِ عرفاں — حقیقت آگہی ہیں

وہ علم و معرفت بھی — رموز و راز بھی ہیں

بہادر مردِ میداں سلام و آشتی ہیں
صفاتِ کبریائی پیامِ مصطفیٰ ہیں
وِدادِ دین و ایماں شعورِ دوستی ہیں
بہارِ عشق و مستی شبابِ زندگی ہیں
کثیر بسطِ انعام وہ اِحساں پروری ہیں
عطا، بخش و عنایت مرحّب آپ کی ہیں
امیدیں آرزوئیں انہیں سے بندھ گئی ہیں

کہ وہ تسکینِ جاں ہیں
سراپا مہرباں ہیں

علی المرتضیٰ ہیں حبیبِ مصطفیٰ ہیں
وہی مولودِ کعبہ عطا کی انتہا ہیں
وہی صِہرُ النَّبیِّ اَخُو بدرِالدُّجیٰ ہیں

وہی خیبر شکن ہیں — وہی شیرِ خدا ہیں
حسن بھی اور حُسَین بھی — نظامِ کربلا ہیں
روانِ جسمِ گیتی — دمِ ارض و سما ہیں
بعہدِ اختیارات — حکومت پادشا ہیں
نوازیدۂ باری — مجسم اہتدا ہیں
وہ مختارِ نبی ہیں — دلوں کا مدعا ہیں
مکمل اقتدا ہیں — وہ یکتائے وفا ہیں
برائے اہلِ ایماں — وِلا کی انتہا ہیں
یقیں کا منتہا ہیں — ظہورِ اعتلا ہیں
وہ فردِ اصطفا ہیں — بقائے اتقیا ہیں
وہی مشکل کشا ہیں — وہی حاجت روا ہیں
وہی میری سُنیں گے — کہ وہ حسنِ عطا ہیں
مرے آقا و مولا ! — مری جانب نگاہیں

عنایت کی نظر ہو !
مرے دامن کو بھر دو !

یاعلی مدد!

گردابِ پیچدار میں ہوں یاعلی مدد!
موجوں کے اختیار میں ہوں یاعلی مدد!

مولائے کائنات! مجھے تیری چاہ ہے
خواہش کے اِختِبَار میں ہوں یاعلی مدد!

پھیلا ہے تیرے آگے مرا دامنِ تہی
نعمت کے انتظار میں ہوں یاعلی مدد!

اک نگہِ التفات ، محبت کی اک نظر
سرتا پا اضطرار میں ہوں یاعلی مدد!

میں خاکسار و خاک نشین و گناہگار
تہذیبِ انتشار میں ہوں یا علی مدد!

لاریب بختیار ہیں اور شہریار آپ
اقلیمِ انحصار میں ہوں یا علی مدد!

اندھا ہوں، بے کلام ہوں، بے علم و بے یقیں
تحصیلِ اعتبار میں ہوں یا علی مدد!

خود ناشناس، غیر سے الجھا، گرا پڑا
گردانِ نابکار میں ہوں یا علی مدد!

خاکِ عدم میں خارِ ضلالت پہ رینگتا
بے ربط انکسار میں ہوں یا علی مدد!

ناکارہ ، ناشناختہ ، نا آشنائے راز
گھری کڑی غبار میں ہوں یا علی مدد!

اپنائیے کہ آپ مرا افتخار ہیں
تفضیلِ افتخار میں ہوں یا علی مدد!

نا اہل ہوں تو جوہرِ توفیق دیجئیے
تنظیمِ پائدار میں ہوں یا علی مدد!

شوقِ نگاہ بھی ہے دلِ ناصبور بھی
میں تن بدن پکار میں ہوں یا علی مدد!

عاؔزم کو ہے وُثوقِ عنایات آپ سے
بیتاب انتظار میں ہوں یا علی مدد!

ایسا کوئی خیال کہ عنقا کہیں جسے
وہ مدعا کہ صورتِ معنیٰ کہیں جسے

لفظوں کے طمطراق میں رنگینیِ جمال
صورت کے امتحان میں زیبا کہیں جسے

وہ آنکھ جو کہ آئنہ بندِ حیات ہو
تقدیرِ روز و شب کا ستارا کہیں جسے

دہشت کا رنج اور امیدوں کا درد و غم
اک شورشِ فراغ مداوا کہیں جسے

وہ جوشِ اضطراب وہ طوفانِ دار و گیر
بے رنگ و سمت خون کا دریا کہیں جسے

بیگانگی ہے ، سایۂ خورشیدِ آتشیں
انسان وہ ہے کانچ کا مہرہ کہیں جسے

صدیوں کی دوڑ دھوپ وہی چشمۂ سراب
لمحوں کے انقلاب کا صحرا کہیں جسے

منہاجِ امن اور یہ برنامجِ لہو
تعبیرِ آرزو کا جنازہ کہیں جسے

آدم ہے، خواہشات کی ڈوروں کی کھینچ تان
جنت میں پتلیوں کا تماشا کہیں جسے

ہنگامۂ حیات میں ناکامیِ صفات
ایسا یہ زخم ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

چہرے پہ رنگِ شوق مگر دل میں زہرِ خوف
ویسا نہ چاہیے اگر ایسا کہیں جسے

ہر ہاتھ راگیرِ گریباں، ہر آنکھ سرخ
اس بھیڑ میں نہیں کوئی اپنا کہیں جسے

بس اپنی ایک ذات زہے غمگسار ہے
مجلس کے درمیان شناسا کہیں جسے

عازمؔ سوال خود سے، جواب اپنے آپ سے
منکر نکیر کی نئی دنیا کہیں جسے

شوق بے بال و پر نہیں ہوتا
نہیں ہوتا مگر نہیں ہوتا

چاہیے زندگی کی رعنائی
در و دیوار گھر نہیں ہوتا

ارتکازِ زمان میں کچھ بھی
بعد یا پیشتر نہیں ہوتا

وقت کی سیج پر کوئی لمحہ
بے حضر بے سفر نہیں ہوتا

نہ رہی اپنے گھر کی بھی پہچان
یوں کوئی دربدر نہیں ہوتا

خونِ تیرہ کے ہر جزیرے میں
جسم ہوتا ہے سر نہیں ہوتا

جسم سورج کے رنگ میں ہو اگر
سر کبھی بے قدر نہیں ہوتا

فکر رکھتی ہے احتیاجِ عمل
خود ہدف تیر پر نہیں ہوتا

دن سیاہی پہن گذرتا ہے
چاند بھی رات بھر نہیں ہوتا

راہ و رسمِ جہاں خرابیِ جاں
کچھ بھی بے شور و شر نہیں ہوتا

موت بھی سبز کوکھ رکھتی ہے
زندگی سے حذر نہیں ہوتا

راحتوں کی بشاشتوں میں بھی
رنج و غم سے مفر نہیں ہوتا

کام چلتے نہیں بلا دولت
کچھ بھی گو مال و زر نہیں ہوتا

منحنی راستوں کے جنگل میں
ہر کوئی راہبر نہیں ہوتا

ہر طرف ایک افراتفری ہے
نامزد فتنہ گر نہیں ہوتا

ایک حالت کڑے جنون کی ہے
کچھ کم و بیشتر نہیں ہوتا

رات کٹتی ہے ہاؤ ہو کرتے
دن سلامت بسر نہیں ہوتا

سختیِ انتظار میں عازمؔ
کوئی بھی کام کر نہیں ہوتا
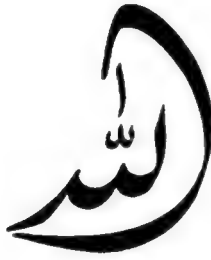
جذبے اندھا نگر نہیں ہوتے
دل بہم بے خبر نہیں ہوتے

رنگِ احساس کے سمندر میں
رابطے منتشر نہیں ہوتے

ایسے رشتے بھی ہیں جو ہر پہلو
خون پر منحصر نہیں ہوتے

فرق ہے نفرت و محبت کا
قرب و دور آنکھ بھر نہیں ہوتے

بجلیوں کے نفوذ سے سارے
فاصلے مختصر نہیں ہوتے

دل نہیں ہے تو کچھ نہیں باقی
ہڈیوں سے بشر نہیں ہوتے

آخر انسان ہے بدلتا ہے
قول سب معتبر نہیں ہوتے

آنکھ پھوٹی تو آئنے ٹوٹے
منفصل بحر و بر نہیں ہوتے

اپنے پاؤں کو دیکھ چلتے ہیں
لوگ تیرہ نظر نہیں ہوتے

اپنی بے سمتیاں معاذ اللہ
ہم اُدھر تم جدھر نہیں ہوتے

لحہ لحہ لہو کی گونجیں ہیں
کان ہوتے ہیں کر نہیں ہوتے

کوششیں بارور نہیں ہوتیں
حیلے کچھ کارگر نہیں ہوتے

خوئے نقصان ، سود کے سودے
کم نہیں ، بیشتر نہیں ہوتے

زیست نعروں کے سنگ ٹھہری ہے
سانس بھی مشتہر نہیں ہوتے

شرم ہے پر بغیر آنکھوں کے
ہم نہیں جانور نہیں ہوتے

وضع کی پائدار دنیا میں
کام سب مفتخر نہیں ہوتے

دائروں کے جنون میں عازم
لوگ شیر و شکر نہیں ہوتے

علیهما الصلوۃ والسلام

خاورِ عترتِ رسول

تیرا خیال یاعلی راحتِ قلب و جان ہے
شورشِ رنگ و خون میں کاشفِ امتحان ہے

خاورِ عترتِ رسول صاحبِ حکمتِ رسول
قاسمِ نعمتِ رسول توشۂ امتنان ہے

معدنِ عشقِ مصطفیٰ مخزنِ خلّت و ولا
گنجِ ولایت و رضا معرفت آسمان ہے

صاحبِ حُبِّ مصطفیٰ وارثِ حکم مجتبیٰ
واجدِ سرِّ مرتضیٰ تُو نبوی بیان ہے

بابِ مدینۂ علوم غیرتِ دیں کا مرزبوم
مرجعِ خاص و عام ہے سب کا ہی پاسبان ہے

مرکزِ التفات تُو مولائے کائنات تُو
یعنی خدا کی دین ہے جودوسخا کی شان ہے

تجھ سے ہوا ہے پائدار ہمتِ اوج کا شعار
وقت کی کشمکش میں تُو زندہ و جاودان ہے

دنیائے ذوق وشوق میں قبلۂ شش جہات تُو
بسط وکشاد کا امین مالکِ قلب و جان ہے

دیدہ و دل کا نور تُو مقدرتِ حضور تُو
سینوں کی سرزمین ہے آنکھوں کا آسمان ہے

مولا کرم کی اک نگاہ عازمؔ تیرہ بخت پر
میّتِ احتیاج ہے ، اور تُو مہربان ہے

یارسول اللہ

ہمیشہ تُو سہارا ہے ہمارا یا رسول اللہ
شبِ تاریکِ غم کا تُو اجالا یا رسول اللہ

مسلّم ہے ازل سے شان تیری دستگیری کی
رہیگا تا ابد تیرا سہارا یا رسول اللہ

مزمّل تُو مدثّر رحمۃ لِلعالمیں تُو ہے
بہر عالم تری رحمت کا سایا یا رسول اللہ

زمین و آسماں کرتے ہیں تیرے در کی دربانی
کہ تُو ہے مالکِ ملکِ تعالیٰ یا رسول اللہ

مکانی بھی زمانی بھی مگر سب کچھ بشرطِ لا
ازل سے تا ابد تیرا نظارا یا رسول اللہ

تری تخلیق کا لمحہ کہ جو دورِ زماں ٹھہرا
دما دم کن فیکون کا ہے مجریٰ یا رسول اللہ

فَـاَ نْتَ الْهَـادِیُ الْـمَـقْصُودُ لِلْاِنْسَانِ وَالْجِنِّ
اِلَیْکَ یَجْمَعُ الْـخَـلْـقُ لِمَأْوٰی یَارَسُوْلَ اللّٰه

فهـا عَـازم اَتَـاكَ بِـالْاَ مَـاَنِـیِّ وَالْآ مَالِ
اِلیــهِ نَـظـرةً فالَیكَ یُهدٰی یارسـولَ اللّٰه

خیال و خواب کی دنیا فریب ہے ساری
دہکتی آرزوؤں ، خواہشوں کی عیّاری

دعا ثبوت ہے اڑتے ہوئے پرندوں کا
گرے ہوؤں کیلئے خوفناک بیماری

وہ ایک ذات احد ہے رحیم ہے رحمٰن
ہر ایک بات پہ حاوی ہے اُسکی قہاری

پکار حق ہے وہ سُنتا ہے سننے والا ہے
غیاب کیا ہے حضوری کی تیز طراری

وہ کردگار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے
رضا اُسی کی ہے حکم اُسکا جاری وساری

مقدروں سے نبردآزما نہیں ہوتے
ہر ایک ہاتھ نہیں زیبِ شمع برداری

جب آ گئی ہے تو سوئے تبادلہ کیوں ہو
یہ رات چاند ستاروں کا فیصلہ کیوں ہو

ہزار تیرگیاں منہ چھپائے بیٹھی ہیں
کرن کی ساکھ پہ جینے کا مشغلہ کیوں ہو

نہ جھوٹ دیکھنے والے نہ حق شناس ہوئے
تماشِ سرد میں گرمِ مباہلہ کیوں ہو

نہ جنگ کی کوئی صورت نہ امن کا پہلو
سلگتے داؤ ہیں جشنِ مقاتلہ کیوں ہو

زمیں سے اکھڑے ہوئے آسماں کے چھوڑے ہوئے
ہمارے حال سے حسنِ معاملہ کیوں ہو

رگوں میں زہر ہے سو پھیلتا ہی جاتا ہے
ہوا کے ساتھ لہو کا مقابلہ کیوں ہو

بحضور سیّد الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام

اے نبیِّ عالمین! اے محسنِ انسانیت!
کارسازِ طالباں، جاں آفرینِ عاجزاں
دردمندِ کاملاں، اے غمگسارِ ناقصاں!
رحمۃللعالمین، اے مرکزِ امیدیت
اک نگاہِ رحمت و رافت اِدھر میری طرف!

اے مرے مولا، مرے آقا! بہت حیران ہوں
دل شکستہ دل گرفتہ زندگی سے بے نصیب
بے سروسامانیوں کے بوجھ سے ازحد ضعیف
نامراد و بے اماں ہوں طالبِ احسان ہوں
اک نگاہِ رحمت و رافت اِدھر میری طرف!

نعمتیں پاتے ہیں سب تیرے کشادہ خوان سے
ایک بھی ایسا نہیں تُو نے کہا جسکو "نہیں"
تیری بخشش بیکراں ، تیری عنایت ہر کہیں
تیرے در پر آ کھڑا ہوں میں بڑے ہی مان سے
اک نگاہِ رحمت و رافت اِدھر میری طرف!

مان رکھتے ہیں یقیناً آپ خاص و عام کا
مان رکھ لیجیے براہِ لطف مجھ محروم کا
گر بُرا ہے تو بدل دیجے لکھا مقسوم کا
مرحمت فرمائیے مجھکو شرف اتمام کا
اک نگاہِ رحمت و رافت اِدھر میری طرف!

یارسول اللہ بیشک آپ پر لاکھوں درود
مرجعِ کون و مکاں! تجھ پر کروڑوں ہا سلام
اے کریمِ طالباں! تجھ پر کروڑوں ہا سلام
الصلوۃ والسلام اے فخرِ موجود و شہود !
اک نگاہِ رحمت و رافت اِدھر میری طرف!

موسم کے رنگ سنگ کوئی بات آپ سے
غم کی اس آگ میں ہو ملاقات آپ سے

امید کی فضا ہے نہ کیفیّتِ نراس
اک اضطرار ہے سو مُناجات آپ سے

وہ وعدۂ ہُدیٰ کہ مجھے اب بھی یاد ہے
مانگے ہے تابِ گرمیِ اِثبات آپ سے

کیا چیز روشنی ہے کہوں کس کو تیرگی
دن میرا آپ سے ہے مری رات آپ سے

رنج و الم کی آندھیاں، وحشت کا یہ سماں
در پئے ہو کیوں مرے، مری اوقات آپ سے

شکوہ نہیں، کلام نہیں، سوئے ظن نہیں
امید ہے امیدِ عنایات آپ سے

اس دھوپ انتظار میں یہ دھوپ اضطرار
نگہ کرم! نگاہِ مواسات آپ سے

میں کیا ہوں کیا نہیں ہوں مجھے کب سے جب پڑے
میں ہوں کہاں پہ کیا، مرے حالات آپ سے

عازمؔ اس اضطراب میں ہے وقفِ انتظار
ہوتے ہیں بسکہ رمز و اشارات آپ سے

علیہ السلام

علی علی

حُبِّ علی قرینۂ حُبِّ رسول ہے
حُبِّ رسول حُبِّ خدا کا اصول ہے

ذکرِ علی سے چہرۂ ایمان کا نکھار
وردِ علی بشرطِ نفوذ و قبول ہے

ایمان اور یقین کا معیار علی علی
ایک التفات آپ کا حاصل وصول ہے

ذکرِ علی سے چاک رہا پردۂ نفاق
نامِ علی سے منہ پہ منافق کے دھول ہے

پہلے نمازی ، مسلمِ اوّل علی علی
ایمان کے لہو میں علی کا حلول ہے

سر ترجمانِ صاحبِ قرآں علی علی
اوجِ کمال گرہ کشائے فحول ہے

مولا ، علی علی ، بمساواتِ مصطفیٰ
نور و نظیرِ احمد و حرزِ بتول ہے

حیدر ، علی ، حبیبِ الٰہی علی علی
اپنی مثال آپ حبیبِ رسول ہے

شرحِ قلوب ، کشف و معارف علی علی
مولا علی سے فتحِ مبیں کا حصول ہے

بوئے علی سے عنبرِ مردانِ کبریا
خوشبوئے لامکان محمد کا پھول ہے

باقی ہوا مدام ہوا ماورا ہوا
جس برگزیدہ دل میں علی کا دخول ہے

ظاہر علی علی ہے تو باطن علی علی
قائم علی علی ہے علی کا شمول ہے

اسرار کا امین علی شاہِ معرفت
عازم علی پہ فقرِ رسا کا نزول ہے
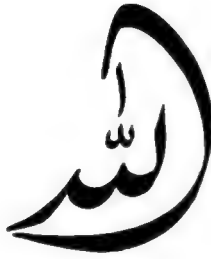
رنگوں کی قیامت ہے تماشائے جنوں ہے
بے دائرہ آنکھوں پہ تمازت کا فسوں ہے

دہشت ہے لہو خشک ہے دیکھا نہیں جاتا
گردن کی کھنک دل کی دھڑک سے بھی فزوں ہے

ہر صبح لپکتی ہیں دہکتی ہوئی شامیں
آرام کہیں رات کو نَے دن کو سکوں ہے

قسمت کے ستاروں پہ دھندلکوں کے ہیں پہرے
چلنے کا کوئی حکم نہ گرنے کا شگوں ہے

ہیہات! یہ رفتار کہ بے سود و زیاں ہے
افسوس! کہ انسان پسِ پردۂ خوں ہے

لرزاں ہیں جنازوں پہ مہکتے ہوئے چھینٹے
گجروں کے تمدن میں بھی سرخوار و زبوں ہے

جوش کی منزلیں سب بھسم ہو گئیں
رونقیں بجھ گئیں رنج و غم ہو گئیں

ہر عمارت کی بنیاد کل پر ہوئی
آج کی ساعتیں کالعدم ہو گئیں

سسکیاں تھم گئیں چپ کی چادر بچھی
شورشیں سانس کے ہمقدم ہو گئیں

کون دیکھے، سنائے، کہاں سن سکے
جو صدائیں اٹھیں ہٹ دھرم ہو گئیں

زلزلوں کی زمیں چاندنی کے نگیں
آرزوئیں اٹھیں وقفِ رم ہو گئیں

کس کا گھر لٹ گیا کس کا دم گھٹ گیا
کس کی چیخیں لہو مرتسم ہو گئیں

دن کے خونخوار ریشم مہکنے لگے
رات کی بپھری زلفیں علم ہو گئیں

اچھی راتیں گئیں اچھی باتیں گئیں
دن کی تاریخ میں زیر و بم ہو گئیں

عازمؔ اپنی زمیں ہو ہوا یا فضا
لغزشیں اپنے دم سے قدم ہو گئیں
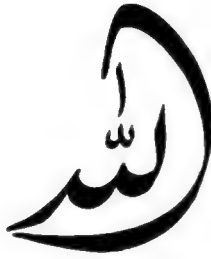
بے عمل ہوتے گئے روشن تصور رہ گئے
ناامیدی کی ہواؤں سے گھروندے ڈہ گئے

چیختی راتیں رہیں چنگاڑتی تاریکیاں
اشک پتھرانے لگے تو جذبے آخر بہہ گئے

نسل در نسل ایک ہی ہنگامی صورت پیش ہے
دیکھتے ہیں دیکھا دیکھی کہتے ہیں جو کہہ گئے

خون آشامی روایت ہے ظہورِ عام کی
جسم جب ٹوٹا کیے تو قطرہ قطرہ بہہ گئے

ہر کہیں برسا ہے چابک وقت کا بے امتیاز
اپنی باری آئے سب اور اپنا دکھ سکھ سہہ گئے

عازم آنکھوں میں ابھی کچھ مسکراتے خواب ہیں
چاندنی کی گود میں روشن ستارے رہ گئے

ہم تھے یا تم تھے شاگیروں میں
کھو گئے وقت کے جزیروں میں

کون لمحے کی نوک پر ٹھہرا
کون ہے وقت کے مدیروں میں

لذتِ مال و نام کیا کیا ہے
سانس مختار ہے نظیروں میں

لوگ ہوتے ہیں ہوتے رہتے ہیں
کچھ غریبوں میں کچھ امیروں میں

حال اپنا ہے اپنا مستقبل
کچھ نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

جنگ ہو امن ہو برابر ہے
خوف کی حدّ ہے ضمیروں میں

کوئی آواز گونجدار نہیں
لہو پکتا ہے ہمصفیروں میں

ثروت نظامی

جاہ و جلالِ دنیوی حسرت مآل ہے
پھر اس پہ مستزاد کہ سامانِ حال ہے

دولت نہیں تو زندگی مُردوں کا کھیل ہے
دولت اگرچہ جال ہے زندوں کی کھال ہے

برخاست ہو نشست ہو جو بود و باش ہو
راحت کے رنگ روپ سے دل کا جمال ہے

اخلاقیات ہو کہ مقاماتِ دین ہوں
بے مال و زر قیامتِ وہم و خیال ہے

کیا پرورش ہو روح کی جب تک سکوں نہ ہو
جلتے لہو کی قبر پہ کتبہ محال ہے

راحت نہیں تو آدمی بے صبح و شام ہے
روحِ روانِ زندگی ثروت نظام ہے

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

آپ یا رسول اللہ درد کا مداوا ہیں
میری آرزوؤں کا آخری سہارا ہیں

آپ ہم غریبوں کے بے نوا فقیروں کے
ورطۂ مسائل میں دستگیرِ یکتا ہیں

ذکر و فکر کی لذت ذوق و شوق کی حدت
آپ کی نوازش سے میرے دین و دنیا ہیں

میری آرزؤوں کا مرکزِ مدامی ہیں
آپ میرے آقا ہیں آپ میرے مولا ہیں

آپ رحمتِ عالم کائنات کے بالم
آپ ہیں تو سب کچھ ہے رنگ ونور و بینا ہیں

وقت کے اندھیروں میں رنج کی کشاکش میں
آپ نور کا جھرنا زندگی کے مبدا ہیں

محمد ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام

نبیِ ختمِ انبیا رسولِ کائنات ہیں
وہ انقلابِ روز و شب میں وجہِ شش جہات ہیں

زمان کیا مکان کیا سفر حضر کا ذکر کیا
دما دمائے وقت پر وہ لمحۂ ثبات ہیں

وہ طوفگاہِ وقت بھی وہی عیارِ وقت بھی
وہی خرامِ وقت پر ثبوتِ بیّنات ہیں

نوشتہ ہائے وقت پر کتابِ معنیٔ کمال
جبینِ مفردات پر جمالِ محکمات ہیں

وہ جانِ حرف ہیں روانِ لفظ ہیں
زبانِ مضمرات میں وہ نکتۂ نکات ہیں

حضور کیا غیاب کیا تغیر و ثبات کیا
وہ زندگی کا حسن ہیں نظامِ ممکنات ہیں

ترقیوں کا بانکپن وہ ارتقاؤں کا پھبن
مزاجِ نظم و ضبط میں وہ قبلۂ حیات ہیں

وہ وسعتوں کا رنگ ہیں محبتوں کا سنگ ہیں
لطافتوں میں اپنی معرضِ نوازشات ہیں

رحیم ہیں کریم ہیں رؤوف و پاسبان ہیں
وہ صاحبِ امانتِ خدائے کن فکان ہیں

دستِ سوال غیرتِ خیرات ہو تو ہو
محتاج ہوں نگاہِ عنایات ہو تو ہو

عادت پڑی چکاتے رہے قیمتِ نشست
اپنی بلا سے گردشِ حالات ہو تو ہو

زندوں نے اپنے خون سے رنگیں کیا کفن
اس حد پہ کوئی حدِّ مکافات ہو تو ہو

جُز اشک و آہ کیا ہوئے ایّامِ خورد و نوش
ہم کھا چکے ہیں زہرِ خیالات ہو تو ہو

مُردہ لہو کو غیرتِ لمحہ محال ہے
دن ہو تو ہو بلا سے کہیں رات ہو تو ہو

اجر و ثواب اور رضا نفس کا ریا
بندہ ہو اور سامنے خود ذات ہو تو ہو

کسب اجر ہے صلہ ہے، محبت ہے اصطفا
ہم ہیں جہاں وہیں سے ملاقات ہو تو ہو

کیا رتبہ و مقام ہے کیا درجہ مرتبت
مافوق حال ہو تو ہو اِثبات ہو تو ہو

ہم اُسکے ہیں اُسی سے اُسی میں اُسی کو ہیں
کھلتے ہیں کھلتے کھلتے مُناجات ہو تو ہو

عازمؔ بجز مشاہدہ جائے سخن نہیں
خاموش ہو کہ اُن سے کوئی بات ہو تو ہو

گفتگو اُسکی آرزو اُسکی
زندگی کیا ہے جستجو اُسکی

آنکھ اپنی لطافتیں دیکھے
کوئی تصویر روبرو اُسکی

غیرتِ شوق ، آبروئے وفا
آنکھ رہتی ہے باوضو اُسکی

وہ جزیرائے حسن و رعنائی
راہ چلتے ہیں خوبرو اُسکی

نازک اندام و آئنہ انداز
ہر جہت رام موبمو اُسکی

وہ سراپا کرن کرن سورج
آنکھ پھرتے ہیں ماہرو اُسکی

چشمہ صورت لطیف و پاکیزہ
آئنہ آئنہ ہے خُو اُسکی

بانکپن ہے کہ زعفرانِ خیال
ہر ادا بابِ مشکبو اُسکی

قبلہ محور خرام ہے اُسکا
فکر انگیز گفتگو اُسکی

نام اُسکا وظیفۂ عالم
شہرتیں ہیں چہار سو اُسکی

قاب قوسین ہے مقام اُسکا
عرش تا فرش کوبکو اُسکی

مرجعِ کائنات ، بحرِ نوال
ہر نظر غیرِ تقنطُو اُسکی

اوجِ انسانیت ، وقارِ حیات
فخرِ آدم ہے آبرو اُسکی

اُس سے روشن چراغِ قلب و نظر
ساعتیں شانِ رنگ و بو اُسکی

سانس اظہارِ ہستیِ جاناں
دل ہے تقریر ہو بہو اُسکی

میری دنیا مرا جہان عازم
جان میری لہو لہو اُسکی

علیہ الصلوٰۃ والسلام
آپ ہیں آپ ہیں

سید الانبیا آپ ہیں آپ ہیں
نورِ ارض و سما آپ ہیں آپ ہیں

اول و آخر و قبلۂ جان و دل
منتہا منتہا آپ ہیں آپ ہیں

اول المسلمیں ، خاتم المرسلیں
مرحبا مرحبا آپ ہیں آپ ہیں

ابتدا آپ ہیں انتہا آپ ہیں
لمحہ لمحہ بپا آپ ہیں آپ ہیں

آپ آقا و مولا و مالک ہوئے
سلسلہ سلسلہ آپ ہیں آپ ہیں

جسم کیا، سانس کیا، روح کیا، جان کیا
ربطِ ہر رابطہ آپ ہیں آپ ہیں

رحمتِ عالمیں ، کعبۂ مرشدیں
حق نما رہنما آپ ہیں آپ ہیں

آرزو قطرہ قطرہ ، عنایت بحور
شانِ جود و سخا آپ ہیں آپ ہیں

حصرِ احسان ہو! کون ہمت کرے؟
لطف کی ہر ادا آپ ہیں آپ ہیں

بے نیازی کہ شانِ عطا ہو گئی
بخشش و اعتنا آپ ہیں آپ ہیں

کون محمود ہے کون محبوب ہے
مرکزِ اصطفا آپ ہیں آپ ہیں

قاب قوسین ہے آپکا ہی مقام
مرجعِ ہر کجا آپ ہیں آپ ہیں

آپ ایمان ہیں آفتابِ یقیں
مقصد و مدعا آپ ہیں آپ ہیں

کیا تمدن کہ تہذیبِ انسانیت
ہر سبھا میں بقا آپ ہیں آپ ہیں

امن بنیاد ، ہر آشتی کا اصول
ہر قضا کی بِنا آپ ہیں آپ ہیں

منہجِ احتیاجاتِ جنگ و جہاد
صلح کے پیشوا آپ ہیں آپ ہیں

آپ ہیں نور ، نورانیت کے امین
ہر ضیا کی ضیا آپ ہیں آپ ہیں

شرق کیا غرب کیا آپ ہی دین ہیں
معتمد مقتدا آپ ہیں آپ ہیں

یورشِ فکرِ مغرب نے چندھیا دیا
مردہ دِل کی جِلا آپ ہیں آپ ہیں

تیرہ فکری میں ہے تیرہ کامی کا راج
روشنی کا لِوا آپ ہیں آپ ہیں

اہلِ مغرب نے برباد عالم کیا
دافعِ اشقیا آپ ہیں آپ ہیں

فکرِ یورپ فقط التباس و فریب
عقل و فکرِ رسا آپ ہیں آپ ہیں

عیشِ مغرب تو ہے پستِ انسانیت
حسنِ طرزِ بقا آپ ہیں آپ ہیں

زندگی آپ ، طرزِ حیات آپ ہیں
نظم و ضبطِ خدا آپ ہیں آپ ہیں

غرُبیوں کی سیاست فساد و جنوں
قطعِ ظلم و جفا آپ ہیں آپ ہیں

کفر دیتا رہا ہے ہوس کو رواج
سدِّ حرص و ہوا آپ ہیں آپ ہیں

شش جہات اک جنونِ مفادات ہے
زُبدۃ الاصفیا آپ ہیں آپ ہیں

اس قیامت گھڑی پاسباں کون ہو !
آپ مشکل کشا آپ ہیں آپ ہیں

التجا آپ سے ہے دعا آپ سے
عزتِ ادعیا آپ ہیں آپ ہیں

ہم گنہگار ہیں ہم گنہگار ہیں
عفوِ جرم و خطا آپ ہیں آپ ہیں

آپ اچھے ہیں نسبت ہمیں آپ سے
رحمتِ بے بہا آپ ہیں آپ ہیں

آج امت قیامت سے دوچار ہے
منقذِ ابتلا آپ ہیں آپ ہیں

اہلِ ایماں پہ یورپ کی منجدھار ہے!
ہم ہیں اور ناخدا آپ ہیں آپ ہیں

ہاتھ ہیں اور گدائی کا کشکول ہے
صاحبِ ہر غَنا آپ ہیں آپ ہیں

کفر صورت پرست اور مادہ پرست
اور ہمارے پیا آپ ہیں آپ ہیں

گو خطا کار ہیں آپ کے ہیں غلام
لاج کی ہر ادا آپ ہیں آپ ہیں

اے حبیبِ خدا ، احمدِ مجتبیٰ
مرتضیٰ مصطفیٰ آپ ہیں آپ ہیں

تیرے در کے سوا اور جائیں کہاں
مالک و بادشا آپ ہیں آپ ہیں

آپ امت کے والی ہیں مولائے کل
ہر ادا آسرا آپ ہیں آپ ہیں

فکرِ عالم پریشاں ، مروّج قنوط
اہلِ دل کی دعا آپ ہیں آپ ہیں

یاس کے گھاؤ ہیں خون خون آدمی
کیمیائی دوا آپ ہیں آپ ہیں

ناامیدی کے بیزار طغیان میں
ہر کسی کی رجا آپ ہیں آپ ہیں

آندھیاں ہیں مصائب کی عیّاریاں
دفعِ کرب و بلا آپ ہیں آپ ہیں

امن کی کہکشاں ہو، سکوں کی بساط
مہر و ماہِ بقا آپ ہیں آپ ہیں

ذلّتوں سے مسلمان آزاد ہو
موجبِ ارتقا آپ ہیں آپ ہیں

فضل و رحمت ہو امت کے ہر فرد پر
مرکزِ ہر نگہ آپ ہیں آپ ہیں

مرشدِ اولیں ، مرشدِ آخریں
منبعِ اہتدا آپ ہیں آپ ہیں

نورِ رشد و ہدایت کی تمکین ہو
شہریارِ ہدیٰ آپ ہیں آپ ہیں

دل کو ہر داغ سے پاک کر دیجئے
بَرشگالِ صفا آپ ہیں آپ ہیں

نظم و ضبط ، اتحاد اور تنظیم ہو
ناظم الانظمہ آپ ہیں آپ ہیں

دل کی تسکین ہو روح پائے نشاط
انبساطِ ولا آپ ہیں آپ ہیں

رفعتیں پھر اسیرِ مسلمان ہوں
نازشِ اعتلا آپ ہیں آپ ہیں

جھولیاں سب کی پُر ہوں عنایات سے
حسنِ نال و عطا آپ ہیں آپ ہیں

اپنے عازمؔ پہ بھی اک نگاہِ کرم
میرا ہر سلسلہ آپ ہیں آپ ہیں

اُسکی باتیں ہیں چاندنی جیسی
مسکراتی سی زندگی جیسی

حسنِ معنی ہیں وہ لب و رخسار
گفتگو حرفِ آگہی جیسی

اُن کو دیکھے سے یاد آئے خدا
ہر ادا اُن کی روشنی جیسی

بے مَثَل ، بے نظیر، بے ہمتا
اُنکی صورت نہیں کسی جیسی

وہ دبستانِ رنگہائے حیات
طرز طرز اوجِ واقعی جیسی

در حقیقت وہی حقیقت ہے
لمحہ لمحہ گھڑی گھڑی جیسی

وقت اُسکے ظہور سے برپا
وہ قدامت ہے پر ابھی جیسی

اُنکی سیرت عروجِ انسانی
ظاہری بھی ہے باطنی جیسی

منحرف ہم ہوئے تو خوار ہوئے
اپنی حالت ہے سامری جیسی

رہنمایانِ وقت کیا کہیئے!
رہنمائی ہے گمرہی جیسی

سب مفادات کے غلام ہوئے
بسکہ ہر گھات رہزنی جیسی

لیجیئے آپ شوق فرمائیے
یہ کلی بھی ہے بے کلی جیسی

حرص کے پنجۂ طلسمی میں
کھو گئی تاب عسکری جیسی

قتل و غارت کی گرم بازاری
چیز سستی ہے آدمی جیسی

خون بہتا ہے منہ پہ دامنِ اشک
خامُشی ہائے بزدلی جیسی

جمہریّت ہو آمریت ہو
عام ہے جنس بے بسی جیسی

روز کہتے ہیں روز سنتے ہیں
روز ہر بات ان کہی جیسی

ہر کہیں بے کلی ہے بیزاری
ہر کہیں رات کافری جیسی

ہر کہیں موت سے کشاکش ہے
خوف کی حد ہے لشکری جیسی

بند ہے منہ، جبین لپٹی ہوئی
چال ہے سعیِ آخری جیسی

ہاتھ پھیلے ہیں خون آنکھیں ہیں
حرکتیں زور آوری جیسی

ہو گئی خاک عزّتِ آدم
مٹ گئی چیز آدمی جیسی

لٹ گئی دولتِ یقین عازم
کوئی لعنت ہے سرکشی جیسی؟

لفظ کو وسعتِ کلام نہیں
دل کی کیفیتوں کے نام نہیں

کیا گذرتی ہے دل پہ کیا کہیئے
رنگ کوئی نہیں نظام نہیں

ذہن آشفتہ ، آنکھ آوارہ
بات کہنے کا اہتمام نہیں

لہو بکتا ہے گوشت سِلتا ہے
آدمیت کا احترام نہیں

زور آور کی بات چلتی ہے
جرم ہوتے ہیں روک تھام نہیں

کوئی قانون نَے کوئی پابند
کوئی آقا کوئی غلام نہیں

خانہ جنگی ، فسادِ نوعیّت
افراتفری ہے انتظام نہیں

قہر و طغیان جبر و استبداد
حد نہیں کوئی اختتام نہیں

فوج اپنی ہے حکمراں اپنے
ملک و ملت کا احتشام نہیں

صاحبِ اقتدار سب مہرے
ہاتھ رکھتے ہیں اور زمام نہیں

ناچ ہے غیر کے اشاروں پر
گام اپنا نہیں خرام نہیں

اپنی ہر چال ہے ادھوری سی
تیز چلتے ہیں تیز گام نہیں

وقت نے اپنے پاؤں توڑ دیئے
ہم کھڑے ہیں جہاں قیام نہیں

اپنی منوائیں، اپنی بات کہیں
کوئی موقع کوئی مقام نہیں

نے حمیت نہ جذبہ و ہمت
حکمراں بھی نہیں عوام نہیں

ایک آوارگی و بُت سازی
دام کوئی نہیں ہے کام نہیں

بیٹھ رہنے کے سو بہانے ہیں
کر گذرنے کا انصرام نہیں

لمحہ لمحہ ہے اضطراب و سوال
کوئی دن اور کوئی شام نہیں

دھوپ چہروں پہ شامتوں کی چبھن
کسی لب پر بھی ابتسام نہیں

فکر اندھی ، نظر نظر سطحی
ذہن پر کچھ بھی ارتسام نہیں

جذبے بے رنگ ، بے جہت کوشش
کوئی مقصد ، کوئی مرام نہیں

باغیانِ نظام بہتیرے
اک نہیں ہے تو کوئی رام نہیں

سب نے اوڑھی ہے حرص کی چادر
سرکشی عام ہے سلام نہیں

بے لگامی ہے ناتمامی ہے
خوش نہیں کوئی شاد کام نہیں

رِستے ناسور مُو بمُو ٹھہرے
زخم در زخم التیام نہیں

بے حضوری ہے لن ترانی ہے
مقتدی بھی نہیں امام نہیں

جنسیت ، گمرہی ، بد اقدامی
صالحیت کی دھوم دھام نہیں

کہیں انگشت ہے کہیں بالشت
دکھ تو ہے جرأتِ ملام نہیں

کوئی غیرت نہیں حجاب نہیں
پاک نگہی کا التزام نہیں

ریشمی ہاتھ لعنتوں کیلئے
مخملیں جسم ہیں مشام نہیں

بے حیائی ہے خود نمائی ہے
کوئی حلّت کوئی حرام نہیں

ہاتھ ڈھیلے ہیں منہ کھلے عازمؔ
شاید انسان شیشہ فام نہیں

آپ اچھے ہیں بہت اچھے ہیں
دل میں رہتے ہیں رہا کرتے ہیں

حسنِ تقسیمِ عمل کیا کہیے
ہر خوشی آپ سے، غم میرے ہیں

بن ترے آنکھ تھی بے لذتِ رنگ
تجھ کو دیکھا ہے تو سب دیکھے ہیں

تو بپا رہتا ہے یکتائی سے
رنگ جتنے بھی ہیں سب تیرے ہیں

چاند شب کو ہے تو سورج دن کو
رات دن گویا ترے اپنے ہیں

دل کھنچا جاتا ہے بس تیری طرف
لمحہ لمحہ ترے نظارے ہیں

تُو دھڑکتا ہے میری نبضوں میں
جذبہ در جذبہ ترے چرچے ہیں

میں کہاں اور معانی کس کے!
فکر در فکر ترے طغرے ہیں

تیری معصوم زباں، حسنِ بیاں
یہی سوچوں کے ارم دھارے ہیں

سادگی میں بھی ہر انداز لطیف
بانکپن حسن کے گہوارے ہیں

سادہ ، معصوم ، سراپائے جمال
کوئی ایسا نہیں، وہ جیسے ہیں

سانس چلتی ہے وہ جب دیکھتے ہیں
دل دھڑکتا ہے وہ جب چلتے ہیں

پھول جھڑتے ہیں وہ جب بولتے ہیں
رنگ کھلتے ہیں جو مُسکاتے ہیں

اُسکی باہیں ہیں سکوں کی مالا
زلفیں خوشیوں کے ارم گجرے ہیں

اُسکی آنکھوں میں ہے دنیائے نشاط
پہلو میں رطب کے اجیالے ہیں

اُس کے دامن سے برستی ہے حیات
ہست و باید کے اثر گوشے ہیں

وہ مری روح بھی ہے جان بھی ہے
اُسکے جلوے مرے شہپارے ہیں

اُسکی یادیں ہیں مرا سرمایہ
اُسکی باتیں مرے سیپارے ہیں

آئنہ صورت و چشمہ سیرت
سانس امرت کے ختن دھارے ہیں

وہ اگر ہے تو ہے دنیا ساری
پیار اپنا ہے تو سب اپنے ہیں

وہ مرے واسطے میرا عازم
رنگ اُسکے ہیں مرے جذبے ہیں

دل پہ دہشت کے لہو پہرے ہیں
کوئی مرتا ہے تو جی کہتے ہیں

نفرتیں ہو گئیں ذلّت کیا کیا
ایک دیتا ہے تو سو مانگتے ہیں

بے بسی ، رونقِ مجبوری ہے
شہر آباد ہیں دل اجڑے ہیں

گوشت کی دیویاں منہ کھولے ہوئے
تیز آنکھیں ہیں بدن اُجلے ہیں

گوشت ہے کشمکشِ روز و شب
ہر کہیں خون کے مکلاوے ہیں

ہر چھبن رنگ کی آسائش ہے
انگ ہر انگ کے دکھلاوے ہیں

جنسیت ہے سگِ مجنونِ مزاج
جوشِ بے سمت کے اندھیارے ہیں

پردہ چھوٹا تو پھٹے ہیں پردے
ایک پردہ ہے تو سب پردے ہیں

لذتِ ضبط سے ہے شانِ حیات
جذبے پھٹتے ہیں تو مٹ جاتے ہیں

کوئی کہتا ہے نہ سنتا ہے کوئی
جتنی باتیں ہیں سو چٹخارے ہیں

بھرے بازار میں جسموں کے نصاب
کھولتے خون کے انگارے ہیں

ہری نبضوں پہ سفید آرائش
آنکھ اور ہاتھ کے بہکاوے ہیں

افراتفری کی جنون انگیزی
کہیں ماتم کہیں واویلے ہیں

کچھ نہیں ہے مگر اے جانِ عزیز
رنگ ہے روپ ہے بہلاوے ہیں

آگے پیچھے نہ برابر کوئی
یہی انسان یہی سائے ہیں

کوئی منہاج کوئی سمت نہیں
جتنے خاکے بھی ہیں سب دھندلے ہیں

آنکھ اندھی ہے لبوں پر مہریں
منہ نہیں ، کان جو ہیں بہرے ہیں

دن گذرتا ہے تو رات آتی ہے
لوگ سوتے ہیں تو ہم جاگتے ہیں

خوب روتے ہیں ہنسانے والے
رنگ اشکوں کے بھی بہتیرے ہیں

واپسی بھی ہے مگر شہر آباد
منتظر رہتے ہیں گھر والے ہیں

کوئی صورت ہے نہ سیرت عازمؔ
لوگ بکھرے ہوئے ہرکارے ہیں

میرے آقا و مولا کرم کیجیۓ
میری حالت پہ لطفِ اتم کیجیۓ

کاوشِ رنج و حرماں ٹھہر ہی گئی
رحم کیجیے ، مداوائے غم کیجیۓ

بکھرا بکھرا سماں ظاہراً باطناً
میرے ارض و سما منتظَم کیجیۓ

تیرگی تیرگی ہے مجھے ہر طرف
نور کیجے مجھے ملتزم کیجیۓ

زندگی دیجیۓ زندگی دیجیۓ
موت کو میری بابت عدم کیجیۓ

کیا فنا؟ کیا بقا؟ کیا ہوں؟ معلوم کیا؟
ماورا کیجیۓ یم بہ یم کیجیۓ

جیسا تیسا بھی ہوں ، کوئی دعویٰ نہیں
بندہ حاضر ہے مولا کرم کیجیۓ

علیہما الصلوۃ والسلام

ولدِ مصطفیٰ

غوثِ اعظم ہیں قبلۂ اوّل
ولدِ مصطفیٰ ، کریم و اجلّ

قلزمِ بخشش و عطا و کرم
آب در آب بے کنار و مَثَل

اُن کا فیضان جاری و ساری
مرجعِ نورِ احمدی پل پل

وہ امین و مکین و محی الدین
عینِ اسلام و اتّباعِ عدل

سید و خواجہ و ولی مخدوم
شیخ و سلطان و بادشا افضل

وہ فقیر و غریب و مولانا
وہی درویشِ بے مثال و مثل

ماحیِ کفر و شرک و بدعت و ظن
فخرِ ایمان ، دین کا مجمَل

علم و عرفان و معرفت کا امین
ظاہر و باطن و حضورِ عمل

آفتابِ ولایت و حجّت
آسمانِ طریقتِ اکمل

قبلۂ واصلین بحقِّ رسول
عارفوں کاملوں کا ہے ماٰمَل

غیثِ رحمت ، کمالِ جود و کرم
اُن سے روشن ہے گلستانِ امل

وہ حقیقت شناس ، والا جناب
چشمِ ملت ، یقین کا کاجل

چہرۂ شوق اُن سے رخشندہ
جگمگاتا ہے ماہِ قول و عمل

وہ کرم پیشہ و عطا شیوہ
مخزنِ لطف و نعمتِ اجزل

جَیِّدُ الْخَیْرِ، اَجْوَدُ الْاِحْسَانْ
لَیْسَ اَبَدًا بِبَابِہٖ مُخْذَل

اَیُّھَا الْغَوثُ! اَعْطِنِی جَزْلًا
لَسْتُ اِلَّا بِکَ سِوٰی اَسْفَل

نَظْرَۃً نَظْرَۃً اِلَیَّ اُرْءَفْ
فِی طُمُوحَاتِ نَفْسِی لَا اَفْشَلُ

تنگ دامان و تنگ ظرف سہی
قادری ام بذیلِ تُو موصَل

تُو وسیع و موسِّع و منعِم
میں رقیق و گداگرِ اجہل

اَیُّھَا الْمُکْمِلُ فَاَکْمِلْنِی
اَنْتَ غَوثِی وَاَنْتَ مَا اَکْمَل

کُلَّ قُبْحِی اَزِلْ وَجَمِّلْنِی
اَنْتَ اَنْتَ فَاَنْتَ مَا اَجْمَلُ
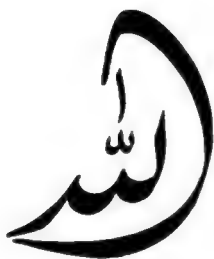
راحت حصولِ رفعتِ سر کوئی ہو تو ہو
حاصل سے مستقل کا سفر کوئی ہو تو ہو

ہم ہاتھ پاؤں توڑ کے سمجھے ہیں کامیاب
واذلتّا! مقامِ نظر کوئی ہو تو ہو

اے رنگریزِ ہستیِ غیرت ادھر نہ دیکھ
تصویر بے خطوط و بصر کوئی ہو تو ہو

بے وسعتِ خیال نہیں رونقِ مجال
دن ہو تو غیرِ شام و سحر کوئی ہو تو ہو

لذت کی دھوپ میں وہی وحشت کا روپ ہے
سانسوں کی ہانپ کانپ ہے ڈر کوئی ہو تو ہو

سر گونجتا ہے جسم کھنکتا ہے موبمو
اک سائبان چاہیے گھر کوئی ہو تو ہو

عازم سرابِ حال کہ دقت فریب ہے
ویرانۂ جمال نگر کوئی ہو تو ہو

شعر

جلال پھیلاؤ ہے جمال اِجمال
یہ ایک بات ہے وسعت اگر نگاہ میں ہو

بہم بہم ہیں حقائق کے سلسلے باہم
ثواب شرط ہے رغبت اگر گناہ میں ہو

صُوَر لطیف نہیں محض موشگافی سے
خیال وہ ہے جو اخلاص کی پناہ میں ہو

نہ لفظ رنگ ، نہ ترکیب میں حرارت ہے
وہی ہے شعر جو مقبول بارگاہ میں ہو

لفظ کے سلسلے پرانے ہوئے
رنگ پھیلے تو شاخسانے ہوئے

سننے والوں کی وحشتیں توبہ!
اک حقیقت تھی سو فسانے ہوئے

لہو مہکا تو پھول جھڑنے لگے
رنگ بکھرے تو گھر گھرانے ہوئے

آنکھ میں گم ہیں جاگنے والے
سونے والے سوئے زمانے ہوئے

کوئی آتا نہ کوئی جاتا ہے
خون کے سنگ آستانے ہوئے

خوشبوئیں لوگ ماپ چلے
بدلے موسم عجب بہانے ہوئے

دن کڑے تھے نظر ٹھہرتی گئی
خواب دیکھے نہ تھے سہانے ہوئے

صورتیں ہیں سمٹتی جاتی ہیں
آگ میں رنگ کے ٹھکانے ہوئے

چُپ نے ریشم کی ساکھ رکھوائی
گنگ الفاظ تازیانے ہوئے

رہی خودداریِ فضا نہ رہی
ٹوٹی شاخوں پہ آشیانے ہوئے

صفِ ماتم پہ بدلیاں کوندیں
گھر ہوئے تھے کہ شامیانے ہوئے

دل کو دل دیکھتا ہے بس عازم
نور سے نور کے خزانے ہوئے

لفظ بیگار مدعا کے بغیر
گھر نہیں ہے کوئی ہوا کے بغیر

حرف ترکیب میں سمندر ہے
پھیل جاتا ہے انتہا کے بغیر

ایک معنی ، ہزار مطلب ہیں
بیوفائی نہیں وفا کے بغیر

گفت ہو یا شنید ، دعویٰ ہے
بات چلتی ہے لگ لگا کے بغیر

مُوشگافی مجھے نہیں آتی
بات کہتا ہوں چھُپچھُپا کے بغیر

صورتیں ہیں نگار خانے ہیں
کچھ نہیں ہے مگر خدا کے بغیر

ہر سبب ہے کسی مراد کیساتھ
خلق ابتر ہے مصطفیٰ کے بغیر

راستے کیا ہیں منزلیں کیا ہیں
آنکھ اندھی ہے رہنما کے بغیر

بے جہت کیا ہے ، شور و غوغا ہے
قبلہ معدوم مقتدا کے بغیر

نگہِ بے سمت ہے بلا مرکز
دل ہے بیگانہ آشنا کے بغیر

شک میں الجھے چراغ جلتے ہیں
تیرہ کامی ہے التوا کے بغیر

کچھ تو مجبوریاں پڑی ہونگی
خوف کا خوف ہے رجا کے بغیر

خشک جذبوں سے برف پڑتی ہے
آگ جلتی نہیں ہوا کے بغیر

کام ہو تو مآل اچھا ہو
صبح ہوتی نہیں مسا کے بغیر

ہائے محرومیاں! مری توبہ!
ہاتھ اٹھ جاتے ہیں دعا کے بغیر

کہیں کشکول ہے کہیں دامن
کہتے سنتے ہیں اعتنا کے بغیر

ہم نے ازبس جوابِ ہستی میں
رہنا سیکھا ہے دست و پا کے بغیر

بیٹھ رہنے میں کچھ بھلائی نہیں
لوگ ڈرتے ہیں ابتلا کے بغیر

رنگ رہتا ہے ساتھ صورت کے
امن مخدوش ہے وَغا کے بغیر

کیوں پریشاں ہیں اہلِ دل عازمؔ
ڈر نہیں ہے کسی بلا کے بغیر

رباعیات

رنگ و صورت کے امر دھارے ہیں
فکر کے موسمی سیپارے ہیں
جذبہ معنی ہے لہو صورت ہے
دل کے انداز بہت پیارے ہیں

الٰہی! کج نظر ہوں بے بصر ہوں
خود اپنے آپ سے بیگانہ ور ہوں
تُو یکتا ہے لطیف و مہرباں ہے
ترا بندہ ہوں محتاجِ نظر ہوں

تیرے بندے ہیں خطاکار ہیں ہم
نفس کے ہاتھ گرفتار ہیں ہم
میرے مولا! دلِ روشن دے دے
تُو عطا کار ، طلبگار ہیں ہم

معطّر کر دے آدابِ وفا سے
الٰہی! اپنے نورِ منتہیٰ سے
حقیقت ، معرفت عرفاں عطا کر
بنا دے دل کو عشقِ مصطفی سے

نفس ہے مشتعل باقی نہیں ہے
بگولا پا بگل باقی نہیں ہے
لہو کی آگ ، برفانی لطائف
بدن باقی ہے ، دِل باقی نہیں ہے

دل کو پاکیزہ ، مصفّا کر دے
سخت بیمار ہے اچھا کر دے
تیرے جلووں کے مناسب ٹھہرے
جیسا مرغوب ہے ویسا کر دے

محبت استقامت یم بہ یم کر
طریقت ماورائیت علم کر
شرورِ ظاہر و باطن سے محفوظ
الٰہی! خاص نورانی کرم کر

دل کے ہر دکھ کا مداوا کر دے
میری حاجات کو پورا کر دے
تُو کہ واقف ہے مرے پل پل سے
میرے احوال کو اچھا کر دے

مرکزِ نور مرا سینہ ہو
راز و اسرار کا گنجینہ ہو
دے مجھے صورت و معنی و صفات
دل تری ذات کا آئینہ ہو

پھر وہی گفتگو مقامی سی
بات ہو تو کوئی ہو تاسیسی

کوئی اپنا نہ کوئی بیگانہ
چہرہ چہرہ یہاں ہے پردیسی

حکمراں کج ہیں یار چھلیے ہیں
کام سے اپنا کام ہے ٹیسی

دعویٰ بے مدعا نہیں ہوتا
چیز کوئی نہیں ہے اپنی سی

ہر قیام عزتِ مقام نہیں
گھر میں ہوتی ہے بات گھر کی سی

رنجش و بغض ، دشمنی ، وحشت
قطرہ قطرہ ہے ایک تیزی سی

جانیئے کیا مرے جیئے کوئی
جذبہ جذبہ ہے ایک سردی سی

جسم آباد ، جان ویراں ہے
منظروں منظروں ہے خشکی سی

محفلوں محفلوں گھٹن طاری
خلوتوں خلوتوں ہے گرمی سی

غلغلہ غلغلہ مسائل ہیں
مسئلہ مسئلہ ہے جلدی سی

اختیار آگ ، اجتناب شرار
حرص جلتی ہے حکمرانی سی

سر بہ سر اک جنونِ کرسی ہے
تاج پہنا ہے سب نے کلغی سی

بسکہ عازم نہیں کوئی شے بھی
اک ہوا، خاک، آگ ، پانی سی
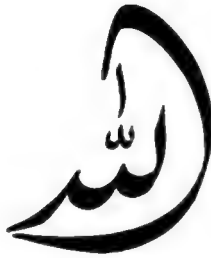
کام کسکا ہے کاج کسکا ہے
کل ہمارا تھا آج کسکا ہے

کوئی پوچھے تو ان لٹیروں سے
آپ کے سر پہ تاج کسکا ہے

کون بوتا ہے کون کاٹتا ہے
کاشت کسکی اناج کسکا ہے

امن کی ہتھکڑی ہے کن ہاتھوں
جنگ کسکی ، نراج کسکا ہے

آنکھیں پھوٹیں ، کمر کمر ٹوٹی
کون سلطاں ، خراج کسکا ہے

حکمراں ساز کون ، کسکی وفا
ملک اپنا ہے راج کسکا ہے

پُتلیاں کون ، ڈور کسکی ہے
کسکا غم ، ابتہاج کسکا ہے

میتوں پر لہو کی مہندی ہے
خوشبو خوشبو مزاج کسکا ہے

سرخ کپڑوں پہ زرد زرد نقاب
رسم کسکی ، رواج کسکا ہے

پہنے رنگوں میں کون آیا ہے
کسکا جوڑا ہے داج کسکا ہے

کون ہے کون ، کسکا ہے کسکا
ساکھ کسکی ، سماج کسکا ہے

ہارنا ہار جب نہیں عازمؔ
عار پر احتجاج کسکا ہے

ہو گئیں جتنی زیادہ چوکیاں
بڑھ گئیں اتنی زیادہ چوریاں

خواہشیں ہیں نت نئی مجبوریاں
تلخیاں ہیں تلخیوں پر تلخیاں

آدمی بے آدمی جینے لگا
شہر ویراں ، اجڑی اجڑی بستیاں

ہر کہیں بیباکیاں ناچاقیاں
کچھ یہاں باقی نہ کچھ باقی وہاں

وقت نے لی ہیں کچھ ایسی کروٹیں
مستند ٹھہری ہیں سب گمراہیاں

خون پانی ہو گیا پانی لہو
دل بڑھے کم ہو گئیں دلچسپیاں

آدمی نے آدمی کی راہ لی
رونقوں میں کھو گئیں تنہائیاں

سازشوں کو خود ہی جب اپنا لیا
جھگڑا جھگڑا ہو گئیں سچائیاں

آدمی سے جب ادب رخصت ہوا
دل کو سہلانے لگیں گستاخیاں

حیف! دل ایمان سے خالی ہوئے
شوخیاں ، گستاخ فرقہ بازیاں

دشمنِ دیں رہنمائے دیں ہوا
بن گئی ہیں دین دہشت گردیاں

مذہبِ ناحق ، سیاست بازیاں
خواریاں ، بیماریاں ، شیطانیاں

کھٹ منافق، بت پرست و بے خلوص
منہ پہ ہیں ہر چند لمبی داڑھیاں

قتل و بربادی ، اشارے ناچنا
دشمنِ اسلام کافر دوستیاں

نامِ دیں پر غارتِ اسلامیاں
دین کے پردے میں کفر آرائیاں

کفر کی طاعت میں تنقیصِ رسول
کفر کے ایما پہ کفر انگیزیاں

دین و ایماں لٹ گئے مسلم گیا
کام آئے نام کے اسلامیاں

زندگی کو خوف لاحق ہو گیا
دہشتوں میں گھل گئیں رعنائیاں

خود سے گذرے غیر کی راحت چلے
قربتوں کی سیج سوئیں دوریاں

عازم عبرتناکیِ انجام ہے
سانس اکھڑی ہے کہ پھڑکیں تتلیاں

کیوں تند ہوا لہجہ کیوں تلخیِ انشا ہے
رستے ہوئے زخموں کا نشتر ہی مداوا ہے

جس قوم کے ذہنوں پر جسموں کا بسیرا ہے
تقدیر کے ہاتھوں میں غیروں کا کھلونا ہے

معیار بُطُولت کا جب قحبہ و ملعب ہو
جسموں کا اگن وحشی سینوں میں دھڑکتا ہے

جب تک نہیں مقصد کا عرفان و یقیں حاصل
جو پاؤں بھی اٹھتا ہے بے سمت ہی پڑتا ہے

سانسوں کی حرارت میں لَو دل کی نہیں شامل
جینے کا بھی سودا ہے مرنے کا بھی سودا ہے

کچھ شرم نہیں آتی کچھ ناک نہیں کٹتی
چھلیے ہوئے ہاتھوں پہ نازش کی مہندیا ہے

کشکول نہیں روشن غیرت کے پسینے سے
اپنے لیے قسمت میں امروز نہ فردا ہے

جذبے بھی غلام اپنے جملے بھی غلام اپنے
بِکنے کے لیے اپنا ہر انگ تڑپتا ہے

اللہ سے برگشتہ ، بیگانۂ پیغمبر
کافر کی رضا جوئی میں دین نہ دنیا ہے

واجب سے گریزاں ہیں محنت سے پریشاں ہیں
نازاں ہیں کہ دامن میں خیرات ہے صدقہ ہے

نعروں کی صدائیں ہیں دردر کی ہوائیں ہیں
ذلت پہ بھی شاداں ہیں عزت کا بھی دعویٰ ہے

بیکار پڑے رہنا ، لالچ کی ہوا جینا
خوں بیچ کے کھا جانا دستور ہمارا ہے

کیا قوم ہے کیا ملّت ، جمہور سے کیا رغبت
دولت ہے تجوری ہے سرمایۂ یغما ہے

لوگوں کی ضرورت ہے، مرتے ہیں تو مر جائیں
بلوہ ہے قیامت ہے، قائد ہیں ہمیں کیا ہے!

بلوائی سیاست ہے یغمائی قیادت ہے
اِفلاس ہے قلّت ہے حاجات کا چرچا ہے

ضربیں ہیں سیادت کی ٹوٹی ہے کمر سب کی
جو پاؤں سے نکلا ہے وہ ہاتھ سے چُپکا ہے

ڈاکو ہیں لٹیرے ہیں جو کچھ بھی ہے اُن کا ہے
دولت ہے خزانہ ہے تیرا ہے نہ میرا ہے

کیا اجنبی جیتے ہیں قدموں سے بھی ڈرتے ہیں
اپنے ہی وطن گھر میں کچھ بھی نہیں اپنا ہے

کیا امن کی رونق ہے احساسِ تحفظ ہے
لٹنے کا بھی خطرہ ہے پھر موت کا دھڑکا ہے

کچھ پھوٹے بدن لپکے اڑتے ہوئے کچھ ذرّے
اک شور سا اٹھا ہے بجلی ہے کہ کڑکا ہے

سانسوں کی سہولت ہے لفظوں کی سلاست میں
عازم دلِ مضطر میں اک شور سا برپا ہے

کچھ بیچنے والے ہیں کہ تیار بہت ہیں
بازار میں غیرت کے خریدار بہت ہیں

تمثیل لہو رنگ ہے کردار بہت ہیں
معصوم بہت سے ہیں گنہگار بہت ہیں

مرہونِ تصرف ہوئی جولانگہِ انصاف
پھرتے ہیں وہ محروم جو حقدار بہت ہیں

بکتا ہے سیاست کے مزاروں پہ لہو بھی
سجّادہ نشیں حال میں گلنار بہت ہیں

افسوس کہ صرف ایک ہی کرسی ہے وطن میں
سردار بہت سارے ہیں مختار بہت ہیں

افواج بھی پابند ہیں ارکان بھی پابند
ہم نعمتِ آزادی کے حقدار بہت ہیں

لفظوں کی عبارت ہے مطالب کے بھنور ہیں
بات ایک ہے پہچان کے معیار بہت ہیں

اس دھند میں اب دیکھے کوئی دیکھے تو کیا کیا
قیمت لگے اذہان ہیں افکار بہت ہیں

تزئینِ تمسخر ہے خیالات کی گرمی
بیکار بہت ، صاحبِ گفتار بہت ہیں

نے فکر نہ احساس نہ جذبہ نہ مروّت
کثرت سے کھلاڑی ہیں اداکار بہت ہیں

اغیار کے ٹکڑوں پہ تبختر سے گذر ہے
دنیا سے خبردار ہیں خوددار بہت ہیں

محنت کی ہے عادت نہ مہارت کی ضرورت
جاگیر ہے ، سرکار ہے ، دربار بہت ہیں

جب لُوٹ چکے ملک تو باہر کو سدھارے
دنیا میں ہمارے لیے گھر بار بہت ہیں

اے مردہ فروشانِ وطن! ایک کفن بھی
خوبی کے بیوپار میں دینار بہت ہیں

کھاتے بھی ہیں پیتے بھی ہیں پھرتے بھی ہیں لیکن
ناچار ہیں ، معذور ہیں ، بیمار بہت ہیں

تلخابہ شفا ہو تو وہی شہد ہے عازم
بیباک تو ہوں میرے طرفدار بہت ہیں
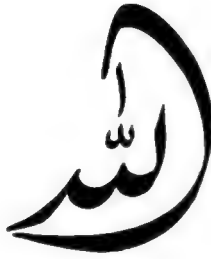
رزقِ حلال قاطعِ لات و منات ہے
ایمان کفرِ غیر میں کلُّ الحیات ہے

ممکن وجود ذات بذاتِ صفات ہے
بالائے ممکنات وہی ایک ذات ہے

بندہ نہیں جو صاحبِ مولا نہیں ہوا
عزت نہیں رہی ہے تو غیرت کی بات ہے

رویت نہیں تو وقت کی گرہیں ہیں ایک سی
سورج حجاب میں ہے تو دن ہے نہ رات ہے

موجود کیا ہے مرتبۂ خورد و نوش ہے
درجات میں کھوئی ہوئی صورت کی گھات ہے

عازم تصوف عین ہے کیوں گفتگو چلے
ہر ایک لفظ پا بگلِ ذات پات ہے

یقیں نہیں ہے تو بیکار دولتیں ساری
وفا کے سنگ چلی ہیں محبتیں ساری

لہو کی گود میں پلتے ہیں خون کے آنسو
بچھی ہیں خاک کے بستر پہ صورتیں ساری

بلندیوں کے تمدن میں واپسی ہے زوال
حیا کی ساکھ پہ قائم ہیں نوبتیں ساری

وفا بشرطِ مساوات ہو تو عالم ہے
محبتوں کا اثر ہیں محبتیں ساری

ملے تو کیا ملے غیروں سے دوستیاں تیری
منافقت میں یہاں گم ہیں الفتیں ساری

موافقت میں مساوات بھی خلوص بھی ہے
مزاجِ غیر سے پیدا ہیں نفرتیں ساری

معاملت میں اجازت ہے غیر کی، لیکن
کراہتوں میں ہوئی ہیں اباحتیں ساری

مزاج چلتا ہے عازم فقط مزاج کی راہ
کہ ذوق ذوق سے پاتا ہے رغبتیں ساری

بے التفاتِ نازِ زمانہ نہیں رہا
آزادِ بندِ عشق کہیں کا نہیں رہا

اُسکے ہوئے ہیں جب سے غرض نہیں
خواہش نہیں رہی کوئی دعویٰ نہیں رہا

محفل کے درمیان بہ اِفراد فرد ہے
وحدت عطا ہوئی جسے تنہا نہیں رہا

دیباچۂ خیال نے پہلو کا رخ لیا
امروز کی گرفت میں فردا نہیں رہا

بیگونۂ نگاہ نے صورت کی راہ لی
تیرا نہیں رہا کہیں میرا نہیں رہا

دم نے لہو کو داغ دیا حرفِ حال سے
ایسا ہوا کہ جیسے کو تیسا نہیں رہا

گردش نے ہر حساب کا احسان اٹھا لیا
کوئی جہاں بھی تھا وہاں ٹھہرا نہیں رہا

آواز کو اب آنکھ کے آداب ہوں تو ہوں
چُپ کی فضا میں کان کا کھٹکا نہیں رہا

لمحات بند و بستِ نفس پر لہو ہوئے
سرگرمِ دل کو ذوقِ تقاضا نہیں رہا

لمحوں کی کروٹیں رہیں مقصد نہ ہو سکا
بیکل ہے آنکھ دل بھی شکیبا نہیں رہا

غیریّتوں نے پی لیا خونِ مفاہمت
وحشت ہوئی کہ حسنِ تماشا نہیں رہا

ہر شخص اپنے رنگ میں خود رنگ ہوگیا
عازمؔ ہمارا گھر بھی ہمارا نہیں رہا
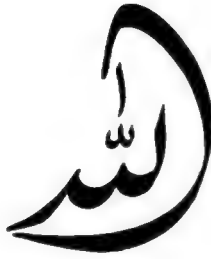
کوئی حسرت نہ آرزو باقی
ایک باقی ہے جستجو باقی

بِک رہے ہیں نگاہ کے بدلے
ہم کہاں اور گفتگو باقی

ہو کہاں تک خلوص کا دعویٰ
فتنہ فتنہ ہے روبرو باقی

کچھ تعلق ہیں کچھ روابط ہیں
جیب تا جیب دو بدو باقی

لذتِ غیر سے نجات نہیں
ہم نہیں ہیں خیال و خُو باقی

آنکھ ہر آئنہ تماشائی
محفلیں ہیں کہ چار سو باقی

کیا کشش ہے چراغبدنوں میں
ہمہ نظّارہ ہو بہو باقی

جو بھی گذری ہے خوب گذری ہے
خوب باقی ہے خوبرو باقی

خلق اک بحرِ اضطرابِ جمال
لہر در لہر رنگ و بو باقی

میرے مولا! عطا! عطائے کمال
میں نہیں ہوں نہیں ہوں تُو باقی

کر دیا ہے ہوس نے دیوانہ
کچھ نہیں غیرِ ہاو ہو باقی

اک نگاہِ کمالِ لطف و عطا
پھر یہ عازم ہے خوشنمو باقی
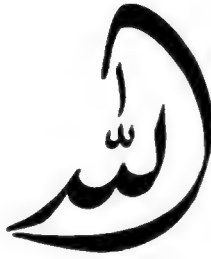
شبِ غم گذرتے گذر گئی جو پرائے دن تھے بدل گئے
مری آہ آہ شرر ہوئی جو شرر تھے نور میں ڈھل گئے

جو کہا کسی نے وہ سن لیا جو سنا وہ دل میں چھپا لیا
لبِ گفتگو کے مزار پر جو لہو کے دیپ تھے جل گئے

کوئی بولتا ہے نہ دیکھتا، کوئی جھینکتا ہے نہ جھانکتا
بڑی مدتوں کا جنون تھا کہ تمام جذبے پگھل گئے

نہ زیاد کی کوئی آرزو ، نہ ہی کم پہ غصۂ جستجو
ہمیں صبر کی وہ پڑی ہے خُو جو ملا اُسی پہ بہل گئے

مجھے شاعری کا جنوں نہیں مری بات بہرِ فسوں نہیں
مرے گرد اگرد کی آگ ہے جو پڑی تو جذبے ابل گئے

کبھی دیکھ عزم کی رونقیں دلِ چارہ جُو کی وجاہتیں
جو رُکے کھڑے تھے وہ چل پڑے جو گرے پڑے تھے سنبھل گئے

جو سوال ردِّ سوال ہے تو عروج ہے نہ زوال ہے
کبھی گرتے گرتے سنبھل گئے کبھی چلتے چلتے پھسل گئے

عجب آشتی کی پناہ ہے کہ نگاہ ہے نہ نباہ ہے
وہ حدیں پڑیں ہیں سماج میں کہ گھروں سے لوگ نکل گئے

جو قتال ہے تو حیات ہے نہیں ہے تو ہر سو ممات ہے
بڑے آئے وقت کڑے کڑے کہ فقط جہاد سے ٹل گئے

نہیں خوفِ مرگ و سلامتی کہ اٹل ہے لمحۂ زندگی
یہی رسم و راہِ حیات ہے کہ جو آج آئے وہ کل گئے

اللہ

اے زمانے کے فقیرو! یہ جزا کسکی ہے
بھرے دامن بھی ہوتم خوار دعا کسکی ہے

شب فروشوں کیلیئے جال ہے دن کی گرمی
بھر پروئے ہوئے جسموں میں ادا کسکی ہے

رنگ بیمثل ہیں ، ہیجان ہے دل کا عالم
کس نے پہنا ہے کفن، آہ و بکا کسکی ہے

اپنی بیگانہ روی ہے کہ نہ صورت نہ بصر
ہم سے جب پوچھا کیے ہم نے کہا کسکی ہے

ہانپتی سانس سے چھلکی ہیں لہو کی کرنیں
کانپتی آنکھ میں برسات ہوا کسکی ہے

مرنے والوں کی وراثت نہ وصیّت کوئی
خون میں کون نہایا ہے بلا کسکی ہے

کہنے سننے کی ضرورت ہے نہ عادت اپنی
شور کس خوف سے اٹھتا ہے صدا کسکی ہے

پاؤں میں امن کی زنجیر ہے ہاتھوں میں سلام
بندشِ عام میں تکبیرِ وغا کسکی ہے

قطعہ

ہم نے دیکھی نہیں پائے نزاکت کی چبھن
لوگ کہتے ہیں یہ تقدیرِ ہما کسکی ہے

ہاتھ نورانی و بیضاوی سکندر چہرے
کس نے پھیلائے ہیں یہ رنگ، حنا کسکی ہے

خود ہی بیٹھے تھے ہوا چادریں اوڑھے عازمؔ
آسماں ٹوٹ پڑا ہے تو ندا کسکی ہے

آنچ میں آگ ہے اور آگ میں نظّارے ہیں
کھیلنے والے ہیں محروم، جو بیٹھے رہے بیچارے ہیں

دست و پا شَل ہیں مجبوریِ برفانی سے
آرزوئیں ہیں کہ اڑتے ہوئے انگارے ہیں

آفتابی ہیں تمنائیں جو دن کو پہنچیں
ورنہ پھر راکھ ہے تپتے ہوئے اندھیارے ہیں

جذبے اٹھتے ہیں لپٹتے ہیں بھنور آنچل سے
خواہشیں رنگ ہیں مہتاب کرن تارے ہیں

فرضِ کوشش میں نبھی کیا جو لہو مہکا ہے
جلنے والے ہیں مگر نور کے مینارے ہیں

ہاتھ پھیلائے ہوئے مر مٹے دامن نہ گیا
ہم نہیں جیتے مگر جیت میں کب ہارے ہیں

معتبر بات یہی ہے کہ نہ بیٹھیں نہ اٹھیں
پاؤں کے رقص میں تعبیر کے رخ سارے ہیں

بند ہوتا نہیں دروازۂ الہام کبھی
فکر کے گوشے اگر نور ہوں سیپارے ہیں

عزم وہ آگ ہے کھلتے ہیں گلستاں جس سے
شان وہ ہے جہاں امرت کے شکر دھارے ہیں

نعرہ تعمیل کا محتاج ہے ورنہ عازم
سارے حیلے ہیں سیاست کے اگن پارے ہیں

آرزوئیں ہیں مرے مولا! کہ ہم رکھتے ہیں
تہی دامن ہیں کہ امیدِ کرم رکھتے ہیں

آپ کا در ہے مناسب نہیں گفتار و گماں
آپ رکھتے ہیں بھرم سبکا بھرم رکھتے ہیں

کیا من و تُو ہے مری جان ہے جاناں پیارے
قطرہ قطرہ ہے لہو، تیرا دھرم رکھتے ہیں

میں نہیں اہل نہیں اہل مگر کون ہوا
تیری بخشش ہے کہ سب نور و علم رکھتے ہیں

آپ مالک ہیں مجھے ظرف کا خطرہ کیوں ہو
آپ چاہیں جو کریں لوح و قلم رکھتے ہیں

آپ محبوبِ خدا اور محبِّ باری
آپ مختار ہیں دستارِ حرم رکھتے ہیں

آپ ٹھہرے ہیں جہاں عرش سے افضل وہ زمیں
وہی کعبہ ہے جہاں آپ قدم رکھتے ہیں

اک نظر میری طرف بھی مرے مولائے رحیم
منتظرِ ہم بھی ہیں، دل رکھتے ہیں، دم رکھتے ہیں

جاگزینیِّ ہوس ہے کہ جنوں طاری ہے
ہر نظر بُت ہے بہر رنگ صنم رکھتے ہیں

نوبتِ رنج و الم سے نہیں فرصت ملتی
لحہ در لحہ نئی طرز کا غم رکھتے ہیں

علم مرکز ہے، توجہ کی لطافت معلوم!
دل ٹھہرتا ہی نہیں، دام میں دم رکھتے ہیں

کِسوتِ دیں ہے نہ پیراہنِ دنیا اپنا
رنج کے چاک ہیں دامانِ الم رکھتے ہیں

نورِ ایماں بھی نہیں، دولتِ عرفاں بھی نہیں
عقل و دانش میں کجی، ذہن میں خم رکھتے ہیں

لذتِ لَہْو سے لبریز ہے پیمانۂ دل
قطرہ در قطرہ نئے شہد کے سم رکھتے ہیں

خود فراموش ہیں، بیکار ہیں، اندھے، بہرے
ہم نہیں لَوٹتے، مصداقِ ستم رکھتے ہیں

میرے مولا! مرے آقا! مرے آقا! اُنظُرْ
آپ رحمت ہیں، غلاموں کا بھرم رکھتے ہیں

دل کہ جو نور ہے روشن ہے عنایت کیجے
بس بدل دیجیۓ اس دل کو جو ہم رکھتے ہیں

شرحِ صدر، اوجِ کمال اور عروجِ انساں
مرحمت! آپ عنایات کا دم رکھتے ہیں

پھیلے دامن کی قسم! دیکھتی آنکھوں کی قسم!
مانگنے والوں کو بس آپ اہم رکھتے ہیں

معرفت ، شانِ حقیقت ہو ، ولایت ارزاں
آپ دیتے ہیں ، عطاؤں کا ارم رکھتے ہیں

وسعتِ دید ، بصیرت ، نظرِ شایاں
پردے اٹھ جائیں جو آنکھوں پہ بہم رکھتے ہیں

آپ کا در ہے کھڑے مانگتے سائل ہم ہیں
دل بھی بیتاب ہے اور آنکھ بھی نم رکھتے ہیں

صبر کی جاہ نہ یارائے شکیبائی ہے
آپ سے مانگا ہے اور آپ نِعَم رکھتے ہیں

عازمؔ آیا ہے گدا گر ہے کرم ہو مولا!
دیکھیئے دیکھیئے بندے کا بھرم رکھتے ہیں

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کمالِ شوق کی ہر انتہا رسول اللہ
حریم و کعبہ و قبلہ نما رسول اللہ

تمام شرع و طریقت میں ایک نکتہ ہے
محبّ ہیں کہ حبیبِ خدا رسول اللہ

مقامِ کن فیکوں ہے دلیلِ احدیت
ظہورِ کن فیکوں شرح لاَ رسول اللہ

وہی ہیں اول و آخر ، وہی ہیں لوح و قلم
مَدامِ قربِ الٰہی ہے یا رسول اللہ

نہیں ہے ذکر مگر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
قبول اِلَّا نہیں ہے بلا رسول اللہ

بلند و پست کے آقا ، جہاں جہاں مولا
عطا عطا میں ہیں شانِ عطا رسول اللہ

انہیں کے دم سے زمان و مکان پیدا ہیں
زماں مکاں سے مگر ماورا رسول اللہ

ظہورِ شانِ الٰہی ہیں سرِّ ذاتِ الہ
ہر ایک چیز میں اصلِ بقا رسول اللہ

ہر ابتدا ہے انہیں سے ہر انتہا اُن سے
شہودِ تسویہ و استوا رسول اللہ

عروجِ وقت بھی ہیں لایزال لمحہ بھی
ازل ابد میں ہیں شرط و جزا رسول اللہ

ہر ایک لمحے کو مفہوم، وقت کو معنیٰ
قرن قرن میں ہیں حسنِ ادا رسول اللہ

زماں مکاں میں رواں بھی ہے ماورا بھی ہے
ازل سے تا بہ ابد منتہا رسول اللہ

شہود میں وہی مشہود ہیں وہی شاہد
حضور میں ہیں حضورِ رسا رسول اللہ

راہ اُنکی، راہرو اُنکے ہیں، منزل اُن کی ہے
بات اُنکی، گرمیاں انکی ہیں، محفل اُن کی ہے

ہم نہیں ہیں کچھ نہیں ہیں انکے دم سے ہیں جو ہیں
سانس اُنکی، جان انکی، رونقِ دل ان کی ہے

عرش تا فرش انکی عظمت، وہ لطیفِ ہر جہت
آفتاب انکی وجاہت، چاند جھلمل ان کی ہے

حرف تا حرف الکتاب و طٰہٰ، یٰسین و قریب
وہ مدثر، نور، تقریرِ مزمل ان کی ہے

رحمتوں کے بادشہ، سلطانِ ملک ذوالجلال
بخششیں انکی ہیں، شانِ رفعِ مشکل ان کی ہے

سرِّ آغازِ زماں، تحریکِ تخلیقِ مکاں
لمحہ لمحہ ذرہ ذرہ انکا ہے کُل ان کی ہے

بسکہ عازم ہیں وہی پھر بھی وہی پھر بھی وہی
عبدہٗ ہیں مالک و صاحب ہیں گھُلمِل انکی ہے

دل مضطرب ہے حالتیں بے اختیار کی
آخر کٹے گی کب یہ گھڑی انتظار کی

باتیں ہیں آگ آگ خیالات شعلہ زن
دکھتی رگیں لہو ہیں زباں اضطرار کی

ہم خواہشوں کی آگ سے کھیلے ہیں بار بار
لذت خروشِ دید ہے گرمی شرار کی

لمحوں کی چال خون کے قطروں میں ڈھل گئی
صورت کوئی بنی نہ بنی اعتبار کی

پھیلے ہیں جب بھی پھیلے ہیں ہم خودستائی میں
یہ بات ایک بار نہیں بار بار کی

ہر گونہ اضطراب ہے سازش کا دام ہے
چند ایک کے ہدف میں ہے گنتی ہزار کی

شک میں پڑے تو پیچِ تذبذب میں پھنس گئے
سُلجھی نہیں کسی سے بھی گتھی قرار کی

ہم غیر ہاتھ چلنے کے عادی سے ہوگئے
سر پیش کر دیا جو اڑی خاک عار کی

جذبوں کی سرد دھوپ میں توجیہِ رنگ کیا
جب تیل ہی نہیں ہے تو کیا بات دھار کی

عازمؔ نہ توڑ لمحۂ امید کا وثوق
ہر بات ایک بار نہیں بار بار کی

صبح امید ، شام مایوسی
دن چراغاں ہے رات کابوسی

یا الٰہی ! یہ کیا قیامت ہے
صبر نے اوڑھ لی ہے جاسوسی

ہم نہیں ہیں مگر رضا تیری
فکر میں کیوں ہے شبہ کی بُو سی

زرد چہرے ، اداس اداس آنکھیں
جسم ٹھٹھرا برنگِ کابوسی

شہر پھیلے تو ہو گئے ویراں
ایک صورت ہے کوچہ و کُوسی

گرنے والا ہے قصرِ امریکی
ملبہ ملبہ ہے غلبۂ روسی

فطرت اپنے اصول جانتی ہے
رنگ در رنگ شوخ و فانوسی

پھر کوئی حق شناس و ربّانی
مظہری کوئی مردِ آلوسی

روح مہکی مشام تازہ ہوا
وہ جب آیا تو آئی خوشبو سی

جینے مرنے میں کچھ تو لذت ہو
رقص در رقص پائے طاؤسی

چھپ گئے چہرہ چہرہ لوگ عازِمؔ
رات میں اک صفت ہے ملبوسی
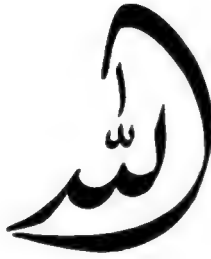
ہو سکی کب کسی سے رُوپوشی
آرزؤوں کی ہے ستم کوشی

روز امید روز مایوسی
شور کے بعد ایک خاموشی

انتظار ایک اضطرار کئی
ایک نشہ ہزار مدہوشی

رنگ در رنگ مسئلے تازہ
کہیں ہوتی نہیں سبکدوشی

شور میں کسکی کون سنتا ہے
ہر طرف خامشی گرانگوشی

دیکھتے کیا ہیں ہو رہا کیا ہے
کچھ نہیں یاد جز فراموشی

کوئی بیدار ہے نہ سویا ہوا
ہوش میں ہو گئی ہے بیہوشی

لے اڑے لوگ جنّتوں کے مقام
لے اڑی ہمکو اپنی مخدوشی

لاکھ نعرے ہیں لاکھ منصوبے
ایک تندی ہے ایک بدکوشی

لُوٹنے کا کوئی بہانہ ہو!
ہم کو فرصت کی ہے بلانوشی

تازہ تازہ امید ہے اپنی
تازہ تازہ ہے رنگِ پُرجوشی

کسکو یارائے سرخوشی عازم
دن کا بازار شب کی خاموشی

عَلَيْهِ السَّلام

غوث العظیم

معطیِ معطی ساز غوث العظیم
طرۂ امتیاز غوث العظیم

بادشاہِ ولایت و عرفاں
معرفت اکتناز غوث العظیم

شمع بردارِ علم و آگاہی
دین و دنیا کا ناز غوث العظیم

رمزِ ایمان وہ علامتِ نور
کاشف و کشفِ راز غوث العظیم

نگہبانِ خلوصِ حق مرداں
مُکمِل پُر نیاز غوث العظیم

ناقصاں را بہارِ تکمیلش
کاملاں را جِہاز غوث العظیم

سید الاولیا و محی الدین
والا بالا فراز غوث العظیم

لم یزل کاملًا من أعطاہٗ
من بہ الاعتزاز غوث العظیم

دام إعطائُہٗ بالاستمرار
ما استردّ الجواز غوث العظیم

مــن بـــه مـرّةً لَيـعتـصـمُ
لـه ابدًا معـاذ غـوث العظيم

مـن يُـنيـلُــه فــائقٌ فضلاً
من به الاحتياز غوث العظيم

صـارَ ذالـوَسُعِ مَن بـه يلصق
من لـه الا نـحياز غوث العظيم

مــن يَـميـلُ إليــه يُـغـنيــه
يـوتـى كلَّ الرِّكاز غوث العظيم

الـفـلاح لـــه ، لـــه الـفـوز
مـن به الامتياز غوث العظيم

يعلم ما الحقيقة والحق
مصطفِيٌّ الطراز غوث العظيم

هو إمام الطريقةِ الجُلَّى
قُدوَة الشرعِ فاز غوث العظيم

كلُّ شرٍّ للازمنه هو
من به الخيرُ لاز غوث العظيم

لا يُقاس هو مَراتبُه
فى العُلوِّ لماز غوث العظيم

مستقِرٌّ مُقرِّرٌ دومًا
مستديم الحِياز غوث العظيم

کـامِـلٌ مُکمِلٌ فمتصرِّف
مستمِرّ الکَناز غوث العظیم

لا نـظیـرلــه ، وحیدو فرید
فائق و سرفراز غوث العظیم

شوخ و بیباک اُن کے دم سے ہوں
میرے ملجا ، معاذ غوث العظیم

چیستم کیستم نمیدانم
قادریَّم مُحازِ غوث العظیم

بندۂ غوثِ پاک ہوں عازم
بندہ بندہ نواز غوث العظیم

نعمتیں تیری ہیں لٹواتا ہے جو تُو چاہے
کوئی کچھ بھی ہو وہی اچھا ہے جو تُو چاہے

ہم کہ سائل ہیں ترے بندے ہیں کیا عرض کریں
تُو کہ مالک ہے وہی کرتا ہے جو تُو چاہے

تیری درگاہ کے آداب سے واقف نہ ہوئے
ہم نہیں کچھ بھی مگر ایسا ہے جو تُو چاہے

مانگنا فن ہے اگر تجھ کو پسند آ جائے
چاہنا شوق ہے مل جاتا ہے جو تُو چاہے

تیری اقلیم میں ہر چیز ہے کثرت کثرت
وہی مل جائے جو کچھ چاہا ہے جو تُو چاہے

کسکو ہمت ہے کہ معیار برابر ٹھہرے
اپنے بندوں کو تُو اپناتا ہے جو تُو چاہے

تیری قدرت ہے کوئی بات بڑی بات نہیں
غیر ممکن ہو کہ ممکن کیا ہے جو تُو چاہے

تُو نوازش ہی نوازِش ہے ، گذارش عازم
تُو فراواں ہے بہت دیتا ہے جو تُو چاہے

عَلَیہِ السَّلام

مرے غوث

مرے غوث میرے غیاث ہیں مرا دین میرا یقین ہیں
مری جان میرا جہان ہیں مرے پاس میرے قرین ہیں

کوئی کیا شمار میں لائے گا مرے غوثِ پاک کی خوبیاں
ولدِ رسولِ متین ہیں وہ امین ہیں وہ مکین ہیں

وہ جمال بھی ہیں جلال بھی انہیں ہر کمال کا حال بھی
شہِ حسن ساز و حسین گر وہ حسین ایسے حسین ہیں

وہ بڑے لطیف و شفیق ہیں وہ بڑے کریم و وثیق ہیں
وہی دینے والے عطا عطا وہی فخرِ حبلِ متین ہیں

وہ ولایتوں کے وکیل ہیں وہ عنایتوں کے کفیل ہیں
وہ بڑے رحیم و عظیم ہیں کہ فروغِ چہرۂ دین ہیں

وہ نبی کے نائبِ عام ہیں وہ مقامِ حقّ پہ تام ہیں
وہی بعدِ صحب رسول ہیں کہ سدا بلند ترین ہیں

مری خلوتوں میں بھی آن ہے مری جلوتوں میں بھی شان ہے
مرے گوشہ گوشۂ قلب میں مرے غوث گوشہ نشین ہیں

آتش نظام غیرتِ دیوانہ چاہیے
صورت مقام حجتِ شاہانہ چاہیے

تخصیص بے مقام نہیں خوف ہے عموم
جیسا بھی جونسا بھی ہو گھر اپنا چاہیے

غیر از مشاہدہ نہیں موجود کا ثبوت
عارف کو ہر خیال سے بیگانہ چاہیے

کشفِ حجاب اصل میں توفیقِ خیر ہے
دل کو کمالِ دید کا نذرانہ چاہیے

زندہ کیواسطے ہے جمالِ روش روش
رنگِ کمال اگر ہو جداگانہ چاہیے

تکرارِ حال سے نہیں احوال کو عروج
تازہ بہ تازہ کیفِ فقیرانہ چاہیے

کیفیّتِ نظام میں ہے لطفِ اہتمام
بے جذب بھی شریعتِ مستانہ چاہیے

صورت فساد ہے اگر اندر فراق ہے
غیر از وصال آئنہ دیکھا نہ چاہیے

دل کیا ہوا رہینِ رُعونت اگر ہوا!
جب رنگ ٹوٹ جائے تو مر جانا چاہیے

ہر لمحہ انتظار ہے ہر ساعت اضطرار
عادت میں اک شعورِ غریبانہ چاہیے

بے احتیاج کوئی نہیں کائنات میں
غیرت کے ساتھ رنگِ گدایانہ چاہیے

حاصل نہیں صباحتِ رونق جنون سے
انداز میں لطافتِ طفلانہ چاہیے

معنی کا ہر لباس دلالت کی شان ہو
صورت میں ایک طرزِ امیرانہ چاہیے

ہر بات ایک بات سے ہوتی ہے منحصر
سمجھا رہا ہے جو اسے سمجھانا چاہیے

کاہش کی ہرنشست میں کاوش کا ہاتھ ہے
غیر از حسد دماغِ رقیبانہ چاہیے

ظاہر کے ہر جواب میں باطن کا ہے سوال
دیوانہ وار غیرتِ فرزانہ چاہیے

ہر چند ہر مثال میں مشکل کا ہے سماں
کچھ تو مگر رعایتِ پیمانہ چاہیے

بے راحتِ جمال نہیں رفعتِ جلال
برخاست میں نشستِ کلیمانہ چاہیے

پیدا خیالِ دوست سے ہے عالمِ کمال
طرزِ جنوں بفکرِ حکیمانہ چاہیے

احوال سے غرض نہیں، اتمامِ رنگ ہو
جیسا بھی دل ہو آپ کا دیوانہ چاہیے

رغبت میں اک سلیقۂ حسنِ کمال ہے
ایسا مجھے نہ کر تجھے جیسا نہ چاہیے

خورشید عازم ابھریں گے اس برف فکر سے
بس اک نگاہِ رحمتِ جانانہ چاہیے

دن رات میں تو لمحوں کا پیمانہ چاہیے
جو ہو چکا ہے سالوں میں روزانہ چاہیے

بے جرأتِ رحیل نہیں منزلِ مراد
اٹھتا ہے جو قدم بھی دلیرانہ چاہیے

گرنے میں بھی اک امر ہے شانِ عروج کا
مقصد نظر میں ، ہمت مردانہ چاہیے

ہر شے میں ہے سکون کی فطری ہماہمی
حالات کے بھنور سے نہ گھبرانا چاہیے

تدبیرِ بے دریغ مسائل کا حلّ ہے
فکر و نظر میں وسعتِ رندانہ چاہیے

ہر عقدہ میں حلول ہے صورت کشود کی
عشقِ رسول ، ذوقِ فقیہانہ چاہیے

دشواریاں طریق ہیں آسانیاں مراد
اخلاق زینہ زینہ کریمانہ چاہیے

حسنِ معاملہ نہیں بے دقتِ نظر
تدبیر میں مذاقِ ظریفانہ چاہیے

شدت میں ایک قوتِ بیگانہ وار ہے
عالم کی شان میں کوئی بھوکا نہ چاہیے

قوت اگر ہے قیمتِ خیرات میں حصول
بیٹھوں پہ بیٹھ رہنے کا ہرجانہ چاہیے

بے آگہی سوال ندامت کی بات ہے
بالائے ظنّ کام شریفانہ چاہیے

اس قدرِ زیست پر کوئی قربان ہو تو ہو
آدم کو آج آدمی پروانہ چاہیے

رنجش میں اک نظام ہے بیتابیوں کیساتھ
اوقات میں حجابِ تماشا نہ چاہیے

اصلاحِ عام کیلئے یکسوئی شرط ہے
بستِ فہیم ، جستِ بہیمانہ چاہیے

کارِ زناں ہے گریہ و زاری کی نوبتیں
مردوں کو کر گذرنے پہ مر جانا چاہیے

پیوستگی اگر ہے تو ہے لذتِ عمل
چشمِ رقیب ، خونِ جوانانہ چاہیے

اعمال بے نظام نہیں قابلِ قبول
صورت کیساتھ معنیِ یکدانہ چاہیے

حیلوں سے کام ہے نہ بہانوں سے واسطہ
پسپا جو ہو قدم وہ ہمارا نہ چاہیے

مقصد کی آگ میں ہو نہایا ہوا بدن
تحریر ہاتھ پاؤں سے افسانہ چاہیے

دنیا سے قرب و بُعد میں اک اعتدال ہو
کاشانہ ہے جہاں وہیں ویرانہ چاہیے

عازمؔ کمالِ زیست ہے رنگوں سے اجتناب
نورِ نظر، حیائے فقیرانہ چاہیے

اللہ

گھبرا گیا ہوں ایک ہی دشوار بات پر
حالانکہ قرض دن کا بہت سا ہے رات پر

قبلہ رہا نہ صاحبِ قبلہ نہ خود رہے
دیکھو تو کیا نگاہ لگی ہے جہات پر

لوگوں نے اپنے آپ کے سودے عجب کیے
داد و دہش میں جھگڑے ہوئے شخصیات پر

سنگت کی آنچ سے لہو رنگت بدل گئے
کیا کیا نہ کر دیا گیا فرمائشات پر

ہاتھوں نے گرم سرد بھی دیکھا نہ آنکھ کا
طوفان اٹھا دیئے گئے ایک التفات پر

جسم آگ ناچنے لگے بطریقِ اعتذار
تحقیق ہو چکی ہے بہت نفسیات پر

سو ہاتھ اپنی ذات سے مایوس ہو گئے
کچھ بوجھ ہے حقوق کا بھی واجبات پر

تمیزِ خوب و زشت بھی تفریق ہو گئی
بانٹی گئیں محبتیں پیمائشات پر

آنکھوں نے دل سے خون کے سو عطیّے لیے
اک تبصرہ ہوا ہے کسی واردات پر

بہتے گئے ہیں رنگ میں مانندِ رنگ ہم
عازم کوئی رقیب نہیں خواہشات پر

جب سامنے وہی ہے تو محفل اُسی کی ہے
جس ہاتھ میں زمام ہے محمل اُسی کی ہے

بے حوصلہ مدام ہے بے لذتِ مرام
جو بے دریغ چل پڑا منزل اُسی کی ہے

حالات کے نقاب میں صورت کوئی نہیں
گھبرا گیا جو آڑ سے مشکل اُسی کی ہے

حاصل ہے جسکو وحدتِ فکر و نظر کی شان
کہتے ہیں جسکو سلطنتِ دل اُسی کی ہے

باطن کے لایموت کی ظاہر پہ ہے گرفت
قوت کہ جو ہے سب کے مقابل اُسی کی ہے

باغیچۂ خیال کو ہے نزہتِ جمال
موسم کہ جسکے سنگ رہا گُل اُسی کی ہے

صورت کو عازم ارض و سما سے غرض رہی
خوشبو پھبن ہواؤں میں شامل اُسی کی ہے
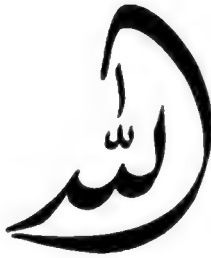
حصولِ مقصد و مراد مرد کا مقام ہے
یہ رونا آہیں کھینچنا تو عورتوں کا کام ہے

جو بڑھ کے لے گیا ہے زندگی اُسی کی شان ہے
نہیں ہے جرأتِ مقاومت تو انہزام ہے

قدم قدم ہو مستقیم اور قیام ہوش سے
مجالِ زیست جرأتوں کا پیہم انتظام ہے

چلا چلی کے سلسلے ہیں روشنی و تیرگی
گرے ہوؤں کیواسطے نہ صبح ہے نہ شام ہے

حیات ہو ممات ہو ہر ایک باصفات ہو
مبارزت کی مَد میں امن کا یہی نظام ہے

کہاں کی چاہ کیا نباہ کفر دوستی بلا
دل آگ آگ سنگ ہے زباں پہ رام رام ہے

مکاں کے شوخ وشنگ میں گھروں کی رونقیں نہیں
نگر میں سنگ وخشت کی اگرچہ دھوم دھام ہے

وفا کی آن بان سے دلوں کی بجتیں ہوئیں
کہیں قلم کلام ہے کہیں نظر سلام ہے

ہوائے تازہ نہ رنگوں کا نور لایا ہے
بہت گھٹن ہے یہ موسم عجیب آیا ہے

لہو بھی خشک ہے سانسوں میں بھی نمی نہ رہی
ہر آنکھ اپنی ہے ہر آدمی پرایا ہے

جو چاہتے تھے نہ پایا تو خوف سے سمٹے
ذرا سی بات پہ دل کیسا تلملایا ہے

کمالِ دید نے چھوڑی نہ آس پاس کی بات
وہ جا چکا ہے تو اُسکا خیال آیا ہے

وفا کے داغ پہ نفرت کے ناچتے چھینٹے
پڑا وہ وقت کہ بے چاہتے نبھایا ہے

عجیب صحبتِ ناجنس سے ہوئے دوچار
اک عہد سالوں کا لمحات میں بِتایا ہے

لہو کی تانت ہے سایہ، سو وہ مرا سایہ
جب اپنے پاس سے گذرا ہے سٹپٹایا ہے

یہ وقت جائے خدایا! تو پھر نہ آئے کبھی
ہر ایک سانس مری اب اُچٹ کنایہ ہے

نہیں ہے شکوہ مگر دست بستہ عرضگذاشت
اُبل پڑا ہے وہ دل میں جو چھپ چھپایا ہے

مرے شمار میں دن ہیں حساب سالوں کا
جو آج آیا ہے گذرا ہے کل بقایا ہے

یہ بوجھ دیکھ، نہ دیکھوں تجھے تو کیا دیکھوں
کہ ماسوا کو ترے واسطے اٹھایا ہے

خبر نہیں مجھے اخلاص کیا محبت کیا
ترے بغیر مجھے جان ہے نہ کایا ہے

کرم کرم کہ بہت ہی اداس ہے عازم
نظر نظر کہ نئی رت کی پھول چھایا ہے

تنہائیوں میں حسنِ مدارات چاہیے
اس خامشی میں ایک ملاقات چاہیے

رنگوں کو رنگ، حال کو حالات چاہیے
جیسے سوال ویسے جوابات چاہیے

پیمانۂ صفات سے ہے ذات ماورا
عارف بہ ھو ورائے حجابات چاہیے

غیبِ وفا ہے ظاہر و باطن کا اختلاف
دامن بہ قلب، قلب بہ ھو ذات چاہیے

حاصل کو ہے ثبوت سے ہی نوبتِ دوام
گھر چاہیے نگاہ کا اثبات چاہیے

لمحوں کی آنچ سے ہے لہو اضطراب میں
دل ہے تو گونہ گونہ مراعات چاہیے

صحبت سے اوجِ جذبۂ بے اختیار ہے
شہروں کے سنگ سنگ مضافات چاہیے

سرخ و سپیدِ زیست ہو اپنی گرفت میں
سانسوں کے اعتبار میں دن رات چاہیے

نبضوں کی بَست میں کہیں خوں کی بھی جست ہو
غیرت سماج دامنِ خیرات چاہیے

ہر شے کو انتظام سے ہے درجۂ کمال
وسعت نظر میں ، حُسنِ خیالات چاہیے

مجلس کی شان صحبتِ افراد سے تمام
الفاظ کو عروجِ عبارات چاہیے

لازم کو تاب ہے تو مناسب کے حال سے
حاجات پر محیط مفادات چاہیے

تاریخ اپنی حیف کہ تاریخِ فوج ہے
خدمات کو موافقِ طاعات چاہیے

افواج حکمراں نہیں پابند چاہیے
تصویر حسبِ حیطۂ مرآت چاہیے

تاریخِ قوم و ملک حکومت کا باب ہے
قوموں کو اپنی ذات سے اوقات چاہیے

خود قوم ہے حکومت و افرادِ سلطنت
پابند با قرینۂ درجات چاہیے

پابند ترجماں نہیں خدمتگذار ہے
خدمت بحقّ حفظِ مقامات چاہیے

کیا کیا ہو؟ کاروبارِ نمائندگان ہے
افواج صرف تابعِ کلمات چاہیے

عازم تباہ حال ہوئے حکمِ فوج سے
تعمیر کو اب عقلِ طلسمات چاہیے
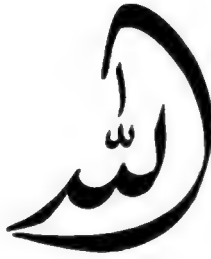
دل ونظر کی کشاکش ہے انتظار کیساتھ
ہر ایک لمحہ گذرتا ہے اضطرار کیساتھ

ہزار وقت کے پردے ہوں لفظ کے منہ پر
مگر کوئی تو ہو تفصیل اختصار کیساتھ

ہمیں تو ہاتھ کی گرمی سے خون اترتا ہے
مزہ یہی ہے کہ ہمت ہو اختیار کیساتھ

رُکے تو ہاتھ نہ پاؤں نہ پھر بصر ہی رہی
سکوں کی آگ برستی رہی قرار کیساتھ

لہو کی بوند پہ بِکتا رہا نظام کا رنگ
کچھ ایسے پھول تھے مرجھا گئے بہار کیساتھ

عجیب مرحلۂ بُعد و قرب آیا تھا
شکار خود بھی شکاری ہوا شکار کیساتھ

ہماری فوج پہ ہے بارِ اقتدار بہت
ہمارا دم نہ گھٹے کیونکر انتشار کیساتھ

صلائے فوج سے اجڑے ہیں ملک وقوم عازمؔ
جھکا جھکا ہی رہا ہے سر افتخار کیساتھ

رباعیات

مقتدر ، قادر و معطائے عظیم
لکھ دے مسعود مجھے والا نعیم
اپنی رحمت میں چھپا لے مجھکو
فضل کر دے مرے مولائے کریم

بدن الجھا ہے دل زندہ نہیں ہے
کسی پہلو بھی اجیالا نہیں ہے
مجھے انوار در انوار کر دے
الٰہی ! تیرے بس میں کیا نہیں ہے

عَلَیْہِ السَّلام

غوث الثقلین

مرتبہ مرتبہ شہوار ہیں غوث الثقلین
ولدِ احمدِ مختار ہیں غوث الثقلین

بعد از سیدِ کونین پھر اصحابِ رسول
سارے سرداروں کے سردار ہیں غوث الثقلین

خاورِ ملک و ولایت، مہ و خورشیدِ ہدیٰ
نور الانوار در انوار ہیں غوث الثقلین

اُن کے قدموں تلے سب گردنیں درجہ درجہ
قافلہ قافلہ سالار ہیں غوث الثقلین

اول و آخر و ایمان و یقیں، لوح وقلم
ظاہر و باطن و مختار ہیں غوث الثقلین

نائبِ مرسلِ اعظم ہیں حسینی حسنی
دین و ایمان کا معیار ہیں غوث الثقلین

مالکِ سلطنتِ حق ہیں باَمرِ حقّی
سید و خواجہ و سرکار ہیں غوث الثقلین

قائم ان کی ہے قلمرو زہے نعمت نعمت
شاہ و سلطان ہیں مختار ہیں غوث الثقلین

کوئی کیوں ان کے غلاموں کے مقابل ٹھہرے
راسخ العزم ہیں خوددار ہیں غوث الثقلین

اپنے دیوانوں کا ہر گونہ بھرم رکھتے ہیں
بامروت ہیں وفادار ہیں غوث الثقلین

اُن کے در سے نہیں ممکن کوئی محروم آئے
عاطفت شیوہ عطا کار ہیں غوث الثقلین

مظہرِ مرسلِ حق غوث ہیں بس غوث مرے
فاعل و فعل ہیں کردار ہیں غوث الثقلین

حاضر و ناظر و قادر ہیں باِذنِ القادر
لِلّٰہ باللّٰہ علمدار ہیں غوث الثقلین

زندہ و ذات و صفات اور پھر عبدالقادر
لِلّٰہ فی اللہ ہمہ دار ہیں غوث الثقلین

پیرِ پیراں مرے میراں ہیں بہرجان و جہاں
سلسلہ سلسلہ سرکار ہیں غوث الثقلین

صمدانی ہیں وہ حقّانی ہیں جیلانی ہیں
رنگ در رنگ طرحدار ہیں غوث الثقلین

جیلی سُبحانی ہیں حنّانی ہیں منّانی ہیں
ہمہ محبوب ہمہ پیار ہیں غوث الثقلین

حکم چلتا ہے بہر حال بہر حال اُن کا
حقّ سبحان کے دلدار ہیں غوث الثقلین

مُکمّلِ احمد و سرچشمۂ فیضانِ علی
شان ہر شان میں شہکار ہیں غوث الثقلین

کوئی ثانی نہیں اُن کا وہ ہیں یکتائے رسول
حسنِ فیضان کو تیار ہیں غوث الثقلین

ختم و اجرائے ولایت ہیں، معارف مولا
مخزن و خازنِ اسرار ہیں غوث الثقلین

معرفت، حکمت و عرفان، خزائن ان کے
غوثِ ربّانیِ ذخّار ہیں غوث الثقلین

فرد الاحباب ہیں رحمانیِ لاثانی ہیں
فائزِ مخدعِ مختار ہیں غوث الثقلین

قطب الاقطاب ، نوازندہ ، نوازندہ ساز
معجزہ معجزہ آثار ہیں غوث الثقلین

جان مُردوں کی بھی، زندوں کا قرارِ جاں بھی
حال ہر حال میں بیدار ہیں غوث الثقلین

مُحُیُ یا مُحُیُ دما دم کہ ہے حق محی الدین
مولا بالمولا ہیں حقدار ہیں غوث الثقلین

رتبہ در رتبہ ہیں مصداقِ سَلَامٌ قَولاً
بات ہر بات میں اظہار ہیں غوث الثقلین

گلشنِ جود و سخا، باغِ عنایاتِ کرم
عطر ہر عطر کے عطّار ہیں غوث الثقلین

غنچہ در غنچہ سعادت ہیں مریدین ان کے
خیر و برکت کے چمن زار ہیں غوث الثقلین

لب جونہی کھلتے ہیں ذکر ان کا رواں ہوتا ہے
میرے محبوب مرا پیار ہیں غوث الثقلین

خوش ہوں عازم کہ رہوں بندۂ غوثِ اعظم
میرے مولا مری سرکار ہیں غوث الثقلین

غوث ہی غوث ہیں اور غوث ہیں غوث الثقلین
اپنی ہر بات میں بے لوث ہیں غوث الثقلین

ظاہراً باطناً اُن کا دمِ سلطانی ہے
نفس و شیطاں کیلئے دوث ہیں غوث الثقلین

زندگی ملتی ہے چلتی ہے انہیں کے دم سے
دل و جان و جگر و حوث ہیں غوث الثقلین

اُن کی سیرابی سے شادابیاں ہر عالم میں
شان در شان بلاہوث ہیں غوث الثقلین

ان کی ایک ایک نظر چشمۂ ایماں عازم
کفر و باطل کیلئے عوث ہیں غوث الثقلین

عَلَیۡہِ السَّلام

محی الدین

مُحیُ یَا مُحیُ کی سر تا پا پھبن محی الدین
حقّ بالحقّ مع الحقّ معاً محی الدین

نور در نور ہیں وہ معدنِ اسرار و رموز
نورِ احمد کی بہر سیر کرن محی الدین

رنگ در رنگ مجدِّد ہیں زمانوں بھر کے
لمحہ در لمحہ یواقیت و زمن محی الدین

عنبرِ گلشنِ احیا ہیں وہی عہد بہ عہد
دین و ایمان کے ہیں مشک وختن محی الدین

گرمیاں ظاہر و باطن کی نمایاں اُن سے
زندگی زندگی ہیں سرّ و علن محی الدین

پیرِ پیرانِ جہاں ، عالمِ یزدانی ہیں
نور خود نور کا ہیں چال چلن محی الدین

اُن کی ہر شان سے پایا کئی شانوں نے وجود
درجہ درجہ میں بلندی کا گگن محی الدین

دستگیرِ ہمہ گیر ، ایمنِ ایمن گستر
جلوہ درجلوہ ہیں دل دل کے سجن محی الدین

بعدِ پیغمبر و مولا علی بس اُن کا کلام
نکتہ نکتہ شہِ شاہانِ سخن محی الدین

لفظ ادا ہوتے ہی اثبات الم نَشرح کا
سرّ و عرفان و معارف کا عدن محی الدین

حرف حرف عرشِ عبارات و کمالات آور
نقطہ در نقطہ ہیں ربّانی دہن محی الدین

بات کرتے ہیں تو خوشبوؤں کو حسن آتا ہے
واہ کس رنگ میں ہیں شیریں سخن محی الدین

خطِ ہر لفظ طریقت گہِ نورانی ہے
قلم آرائے وفا کیشِ سُنن محی الدین

مشکلیں ہوں کہ ہوں آسانیاں، سب طے اُن سے
ہست در ہست ہیں آسان کٹھن محی الدین

من یناجی اللّٰہَ، من یخلصہٗ اللّٰہُ معًا
بندہ و مولا کا سنجوگ ملن محی الدین

نور سے نور ہے انوار در انوار عازم
بوالحسن زہرا حسین اور حسن محی الدین

عَلَیۡہِ السَّلام

شہادتِ حسین

مصحفِ دینِ نور کا دل ہے شہادتِ حسین
ظلمتِ کفر کے مقابل ہے شہادتِ حسین

معنیِ لا اِلٰہ ہے معرفتِ رسول ہے
حقِّ مشاہدہ کی منزل ہے شہادتِ حسین

ترکِ رسومِ ناقصاں نیلِ مقامِ کاملاں
قرب کی روشنی کو شامل ہے شہادتِ حسین

علم و یقیں کی انتہا حسنِ عمل کا منتہیٰ
حَیٌّ لَّمْ یَمُتْ کی محفل ہے شہادتِ حسین

گرمیِ وعدۂ ازل خوابِ خلیل کا عمل
دینِ متیں کا ماہِ کامل ہے شہادتِ حسین

سرِّ مکان و لامکاں حرفِ نگاہ و قلب و جاں
کعبۂ زندگی کا حاصل ہے شہادتِ حسین

لمحۂ کشمکشِ حیات نظمِ درونِ کائنات
فتحِ مبیں کا نورِ محمل ہے شہادتِ حسین

جرأتِ بیمثال بھی خدمتِ لایزال بھی
امتِ احمدی کی منزل ہے شہادتِ حسین

بخدمت

صفاماٰب نورِ حقّی سیدنا غلام جیلانی قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بہارِ نورِ شریعت غلام جیلانی
کمالِ حسنِ طریقت غلام جیلانی

بفیضِ غوث و بفیضانِ نذر محی الدین
جمالِ عرشِ فضیلت غلام جیلانی

مہِ تمامِ ابو الفرح فاضل الدیں قطب
ضیائے تامِ ولایت غلام جیلانی

وفورِ معرفت و علم و آگہی کا نظام
وجود شمسِ حقیقت غلام جیلانی

لُٹا لُٹاتے رہے معرفت کے گنجینے
رموزِ عشق و محبت غلام جیلانی

مشاہدہ میں فرید اور مراقبہ میں وحید
بساطِ فتح کی ندرت غلام جیلانی

عطا کیا ہے جونہی کوئی در پہ آیا ہے
کمالِ لطف و مروت غلام جیلانی

ہوا ہے نور سرا اُن سے فاضلی دربار
مقامِ بہجت و رفعت غلام جیلانی

نظر اٹھائی تو بخشے دفائنِ قدرت
عروجِ وسع و عزیمت غلام جیلانی

بس اک نگاہ ہو عازم پہ بھی کہ سنتے ہیں
نگاہِ ہمت و قوت غلام جیلانی

نعمتیں تیری ہیں دیتا ہے جسے تُو چاہے
سب ہیں تیرے ہی تُو اسکا ہے جسے تُو چاہے

موت ہی موت ہے تجھ تک جو رسائی نہ ہوئی
زندہ پائندہ ہویدا ہے جسے تُو چاہے

اہل کیا چیز ہے معیار کی حیثیت کیا
اچھے اچھوں سے وہ اچھا ہے جسے تُو چاہے

ذکر کیا ، فکر کجا ، سبحہ شماری توبہ!
تیرے بندوں میں وہ بندہ ہے جسے تُو چاہے

دعویٰ بہتات سے تصویر نہیں بن جاتا
وہی اچھا وہی سچّا ہے جسے تُو چاہے

اصطفا تیرا ہے تقدیرِ عطا بھی تیری
تیرا پیارا ترا شیدا ہے جسے تُو چاہے

جبر بے سود ہے بیکار قدر کے سودے
کوئی کچھ ہو وہی تیرا ہے جسے تُو چاہے

خلق ہے خلق کے اندر ہے بہ تمثیلِ خلق
ماورا خلق سے رہتا ہے جسے تُو چاہے

ذات بالذات مع الذات ہے صاحب کونین
کیا بھلا اُس کیلیۓ کیا ہے جسے تُو چاہے

ادّعا کیا ہے اگر مدعا ثابت نہ ہوا
بسکہ ہونا وہی ہونا ہے جسے تُو چاہے

رنگ میں رنگ کی نوبت نہیں آتی تجھ بن
وہی زیبا وہی رعنا ہے جسے تُو چاہے

اپنے بندے میں ہے کیا شانِ تصرف تجھ کو
وہی آقا وہی مولا ہے جسے تُو چاہے

رباعی

اگر یہ چلنا پھرنا زندگی ہے
تو عالم کیا ہوا تیرہ شبی ہے
نہیں ہے جسم گر بینا سراپا
تو موت عرفان و علم و آگہی ہے

نور ہی نور بدن ہے تو بہم باقی ہے
رم بھی باقی ہے قدم باقی ہے دم باقی ہے

ہم بھی بیٹھے ہیں کہ محفل کا بھرم باقی ہے
دل بھی پیوستہ ہے امیدِ کرم باقی ہے

انتظار ایسا کہ دن جوں توں گذر جاتا ہے
عالم ایسا ہے کہ ہر پہلو الم باقی ہے

لذتِ صبر بھی ہے وحشتِ تنہائی بھی
خوشیاں در پیش کچھ ایسی ہیں کہ غم باقی ہے

بندگی دعویٰ اگر ہے تو شکایت معلوم
کچھ نہیں کچھ بھی اگر شکر دھرم باقی ہے

کیا عبادت ہے اگر اَجر کے سائے میں ہوئی
شوق کی راہ میں ''تم'' باقی نہ ''ہم'' باقی ہے

وہی مولا وہی نگران ہے عالم معلوم
بندہ کیا بندہ ہے گر حرصِ نِعَم باقی ہے

ہائے افسوس ہوئے خلق میں مشغول ہوئے
حرزِ مولا نہ رہا حفظِ صنم باقی ہے

آگ ہی آگ ہے اور خون اُگلتا پانی
نَے اہم باقی ہے نَے غیر اہم باقی ہے

لہو مذہب ہے تو ویران محل اچھے ہیں
جان جانے کا نہیں غم کہ شکم باقی ہے

مٹ گئیں صورتیں، خوں نفس کی مٹی میں ملا
ایک تحریر کہ تھی دل پہ رقم باقی ہے

کیوں نگونسار ہو تدبیر کی ناکامی پر
رم بھی باقی ہے قدم باقی ہے دم باقی ہے

کسی تقدیر کا پابند نہیں شوق عازم
اہلِ ہمت کیلئے شانِ قلم باقی ہے

ہمارے باب میں بھی ایک گفتگو ہو جائے
تمہاری بات چلے حرفِ آرزو ہو جائے

فنا ہو تجھ میں، بقا تجھ سے، بات اتنی ہے
وصولِ تام سے تقریرِ ھو بہ ھو ہو جائے

قرار پائے نہ ترتیبِ غیر پر کچھ بھی
جو آپ چاہیں وہی میری جستجو ہو جائے

نہ آئینے کی ضرورت نہ پردۂ صورت
عروجِ شوق کچھ ایسے ہو روبرو ہو جائے

وفا کہاں کی گریباں ہی چاک اگر ٹھہرا
نہیں ہے راز اگر ھو سے تُو بہ تُو ہو جائے

جِلا ہو یا کہ خفا ، شانِ انصرام کیساتھ
اٹھے جو گام بھی ترتیبِ آبرو ہو جائے

جوابِ دل سے ہے عازم مقامِ بیداری
جو لمحہ آنکھ سے گذرے لہو لہو ہو جائے

حضورِ جان میں صورت کا مدعا نہ کریں
کسی بھی حال سے کوئی کبھی گلہ نہ کریں

کبھی کلام ہے واجب کبھی ہے خاموشی
مناسبت کے سوا شوقِ ادّعا نہ کریں

قدم قدم کی ہے ترتیب منزلوں کی کمند
گر انتہا نہیں معلوم ابتدا نہ کریں

کوئی نظام سکوں پر کبھی نہیں جمتا
یہ وقت بیت ہی جائے گا دل برا نہ کریں

اُسی کے چاہنے سے امتیاز چاہ کو ہے
وہ چاہتا نہ اگر ہو ذرا ذرا نہ کریں

اُسی کے رشتے ہیں نبھتے ہیں جب وہ مل جائے
وہی ملے تو ملے ورنہ اکتفا نہ کریں

اسی کی بات، اسی کی زباں، اسی کا بیاں
وہی کہے تو کہیں ورنہ کچھ کہا نہ کریں

ہمیں تو کچھ بھی نہیں سوجھتا بغیر اسکے
نہ فکرِ اجر کریں، کاوِش رضا نہ کریں

بہشت و جنت و دوزخ ہیں کیا؟ کھلونے ہیں
بٹھائے خلق کو سر پر خدا نہ کریں

اُسی کی چاہ اگر ہے دعا کی کیا حاجت
نہیں ہے اسکی اگر چاہ تو دعا نہ کریں

ہم اُسکو چاہتے ہیں غیرِ گرد و پیش عازم
وہ سامنے اگر آئے تو سامنا نہ کریں

لہو لہو ہیں مناظر کوئی گواہ نہیں
عجب محاذ ہے کوئی بھی روسیاہ نہیں

ضمیر مردہ ہوئے روح آبدار نہیں
بدن کی آگ ہے دل کی قرار گاہ نہیں

ہوس نے پاؤں بڑھائے حمیّتیں بدلیں
جنوں کی رات ہے غیرت کی صبحگاہ نہیں

صباحِ خوف نے اشکوں کی شام بھی لُوٹی
دماغِ آہ نہیں ہے مشامِ واہ نہیں

ہر ایک شخص نے اوڑھے ہیں آندھیوں کے نقاب
ہمارے گھر میں کوئی گھر کا خیر خواہ نہیں

ہوا ہے حرف جب آئینہ ذات کو ٹھہرا
نہیں ہے شعر جو مقبولِ بارگاہ نہیں

رہا نہ قوتِ تمیز کا نصاب عازمؔ
کوئی ثواب نہیں ہے کوئی گناہ نہیں

لیجیئے آپ کا پیام آیا
بندہ سربستۂ سلام آیا

نام بے نام ہیں سب اسکے بغیر
نام آیا جب اُسکا نام آیا

لہو سیکھا ہے کاروبارِ لہو
کام جب آ گیا تو کام آیا

لمحہ ارض و سما پہ پھیلا ہے
صبح کے ساتھ وقتِ شام آیا

لوگ نکلے سروں پہ باندھ کفن
زخم سے خوں کو احترام آیا

راہ ٹھہری نہ پھر قیام ہوا
چلتے چلتے عجب مقام آیا

حدیں محدود ہو گئیں کیا کیا
کام گذرا تو کاف و لام آیا

سو گیا سبز دن کا کارگزار
شبِ تیرہ کا خود کلام آیا

میٹھے وعدوں پہ بات کا جادو
عازمؔ اک حجلہ انتظام آیا

چلو یہ بات بھی ہر سلسلہ دراز ہوئی
جو آنکھ بند ہوئی اُس پہ ساز باز ہوئی

اب آئیے دیکھیئے ہوتی ہیں چشمکیں کیا کیا
سرِ فراز سے اک آنکھ سرفراز ہوئی

نہ سجدہ گاہِ محبت نہ سجدہ ہائے نیاز
جبیں جھکی ہے مگر دل سے بے نیاز ہوئی

جب التفات نہیں ہے تو دل ہوا نہ نگاہ
بس ایک لاش ہے مہکی تو شاہناز ہوئی

مراد ہے تو وہی ہے مگر وہ چاہے اگر
ہَوا اگر ہے وفا میں تو حرص و آز ہوئی

بڑی جناب بڑی ذات شان شان تمام
احد احد کی فضا ما بہ امتیاز ہوئی

زمانہ اُسکی نگاہوں سے فیضیاب ہوا
جو بات بھی ہوئی اُس سے کرشمہ ساز ہوئی

وہ بارگاہ ادب گاہِ شوق ہے عازم
نیاز تام ہوئی جب عروجِ ناز ہوئی

نفس گرفتہ تماشائے رنگ بھی دیکھا
لہو کی آنچ بھی دیکھی ہے سنگ بھی دیکھا

غلط ہے شور سے بدلے طبیعتوں کا نظام
ہجومِ یاس میں زردِ امنگ بھی دیکھا

مسابقت سے کبھی صورتیں نہیں مٹتیں
سلامِ امن بھی، آشوبِ جنگ بھی دیکھا

گھٹن گھٹن ہے سماں دل جو نور نور نہیں
فراخِ زیست بھی دیکھا ہے تنگ بھی دیکھا

لہو کے چاک بھی ہنستے ہیں چاند جذبوں پر
بدن بھی دیکھ لیا انگ انگ بھی دیکھا

خطر سے پاک نہیں ہے تو شوق شوق نہیں
جِلا سراب اگر ساتھ زنگ بھی دیکھا

ادب ہے شانِ محبت، حیا ہے آزادی
حضورِ شوق میں گم شوخ و شنگ بھی دیکھا

لہو کے جوش پہ غالب ہے حرص کی آندھی
قرابتیں بھی ہوئیں انگ سنگ بھی دیکھا

مجالِ حال میں صورت کا اعتبار نہیں
قبیحِ دید بھی دیکھا قشنگ بھی دیکھا

حیات بسکہ ہے مرنے سے پیشتر مرنا
بقا بذات سے رِفیَّت کا ڈھنگ بھی دیکھا

ہوس کے فرش سے عرشِ صفا نہیں دِکھتا
فقیہہِ شہر بھی دیکھا ملنگ بھی دیکھا

وفا کبھی نہیں بدلی ہواؤں سے عازم
نگاہ میں اثرِ سیم و سنگ بھی دیکھا

ادب ہے شوق، ادب نور، ادب ہے سبحانی
ادب کمالِ محبت ہے عینِ حقّانی

ادب ہے رونقِ عالم، ادب ہے آزادی
ادب حیات ، فروغِ ضمیرِ انسانی

ادب نہیں تو محبت تمام لایعنی
ادب معانیِ عشق و وفا کی جولانی

ادب عبادتِ مقبول ہے ادب تقویٰ
ادب حیائے محبت ، ردائے ایمانی

ادب ہے ذات، ادب ہے بذات، ادب باقی
ادب مشاہدۂ ھو بہ ھوئے رحمانی

ادب حبیب ہے محبوب ہے محبت ہے
نبی ، رسول ، ولی ، قطب ، غوثِ ربّانی

تقی ، نقیّ و صفیّ و علیِّ شاہِ شہاں
حسن ، حسین ، ادب بادشاہِ جیلانی

ادب ولایتِ عظمیٰ ہے نعمتِ کبریٰ
ادب ہے قادر و مولا حبیبِ یزدانی

ادب خلافتِ بوبکر و عمر و عثماں بھی
ادب نیابتِ مولا علیؑ لاثانی

ادب ہے سوزِ ابوبکر و قلبِ مرتضوی
ادب ہے فقرِ علی ، عمر کی جہانبانی

ادب فراستِ مومن ، حرارتِ ایماں
ادب حَسَن کا تدبر ، حیائے عثمانی

ادب امامتِ کبریٰ ، شہادتِ عظمٰی
علیِؑ بحرِ معانی ، حسینِ فرقانی

ادب سے رفعتِ فکر و فروغِ حریّت
ادب نہیں ہے تو آدم ہوس کا زندانی

وصولِ فکرِ خدا ، ماسوا سے آزادی
خدا وجود ہے باقی ہے ، ماسوا فانی

ادب ہے عقل ، ادب علم ہے ادب عرفاں
ادب ہے تخت ، ادب تاج ادب سلیمانی

ادب اصابتِ دین و صلابتِ ایماں
ادب نہیں ہے اگر کفر ہے مسلمانی

ادب سے ظاہر و باطن کی رونقیں عازمؔ
ازل سے تا بہ ابد ہے ادب کی سلطانی

اللہ

تقریر غضبناک ہے گفتار بہت ہے
کرنے سے تذبذب بھی ہے انکار بہت ہے

قائد ہے کہ گفتار میں طرّار بہت ہے
عوّام کہ تقریر گرفتار بہت ہے

وعدوں کی عبارت ہو کہ دعووں کی خطابت
تاثیر کی منہاج پہ تکرار بہت ہے

خود لُوٹتے ہیں اور لٹاتے ہیں شب و روز
غیرت نہیں دردِ وطن ایثار بہت ہے

کس خامشی سے جمعہ معیشت میں اڑایا
ایمان بہت ہے ہمیں اقرار بہت ہے

فتوے ہیں ستائش کی ہوس اور خریدار
طرّار فقیہِ لہو دوّار بہت ہے

اک جمعہ ہی کیا، کچھ بھی ہو، حاضر لہو عالِم
سلطان پسندیدہ ملنسار بہت ہے

مذہب بھی لہو اور سیاست بھی لہو ہے
خورشید پرستی ہمیں مختار بہت ہے

دولت کی کسوٹی پہ لہو بیچنے والا
بازارِ سیاست میں چمکدار بہت ہے

امریکہ اگر پوچھے تو عزت ہے نہ سر ہے
گھر مرد وزیر ایمن و "سردار" بہت ہے

کافر کا اشارہ ہو ، کوئی ناچ ہو، منظور
اسلام نواز آپ کا خوددار بہت ہے

جوہر سے بھی عاداتِ نگونسار نہ بدلیں
غیرت کا شہنشاہ ہے مختار بہت ہے

لپکا کفر آواز پہ جی جیِ حکومت
بندہ جو ہوا مولا پرستار بہت ہے

کافر کیلئے وضعِ قوانین کا فرمان
کرسی نگر اسلام کا غمخوار بہت ہے

افواج پہ پہرے ہیں قیادت پہ بھی پہرے
آزادیِ سرکار بہرکار بہت ہے

تقسیمِ وطن ، کاشمر و حرصِ حکومت
افواج ہماری ہیں ہمیں عار بہت ہے

کوئی بھی ہو کچھ بھی ہو عدالت ہو کہ فوجی
آئین سے کھیلا ہے تو غدّار بہت ہے

افواج ملازم ہیں بفردیّتِ قومی
کرسی کو لپکتی ہے تو غدّار بہت ہے

گر فوج ہے نگرانِ نمائندۂ جمہور
کوتاہ و جفاپیشہ و بیکار بہت ہے

ہیں اپنے نمائندوں کے خود لوگ محاسب
گر فوج محاسب ہے سزا وار بہت ہے

افواج محافظ ہے بفرمانِ قیادت
گر یوں نہیں، باغی و گنہگار بہت ہے

کچھ دیکھنے دیتی ہی نہیں نفس پرستی
دل وہ ہے کہ حق بات گرانبار بہت ہے

منہ بند ہوئے جاتے ہیں موسم کی ادا سے
لاشوں پہ عنایات کی بوچھار بہت ہے

ہر تبصرہ پابندِ تعصب ہوا عازمؔ
اظہار میں تقریبِ طرفدار بہت ہے

رباعی

ملازم کو ملازم کی نظر دے
حکومت کو حکومت کا جگر دے
سلامت شانِ آزادی سلامت!
الٰہی! فوج کو پابند کر دے

یا خاک نشینی ہے یا تخت نشینی ہے
غیریّت و خودبینی مابین گزینی ہے

دوئی کے تصور میں ہر گونہ قیامت ہے
یا فرش نشینی ہے یا عرش نشینی ہے

دہشت کی مسلمانی نفرت کی سلیمانی
نَے کاہشِ بے دینی نَے کاوشِ دینی ہے

وحشت کی جہالت میں برہان و حقیقت کیا
تریاق بھی ناگن ہے جب زہر ہی پینی ہے

ہر حرف امر ہمت ہر لفظ اٹل حکمت
ایمان کے مضموں میں ہر بات یقینی ہے

دنیا کیلئے جینا دنیا کیلئے مرنا
عادات کے چربے ہیں فرفند مکینی ہے

مولا کیلئے بندہ ، بندے کیلئے مولا
کیا دشت نوردی ہے کیا گوشہ نشینی ہے

مولا سے بقا پانا دنیا کو جِلا دینا
بندے کیلئے عازم کردارِ امینی ہے

شام تا شام سحر تا بہ سحر دیکھتے ہیں
رنگ تا رنگ ہم آہنگِ اثر دیکھتے ہیں

واہ سے آہ تک آواز کی نوبت کیا ہے
پاؤں کو دیکھتے ہیں ہم کبھی سر دیکھتے ہیں

لہو مہکا تو کسی چال بھی رونق نہ رہی
آئنہ سامنے رکھ راہگذر دیکھتے ہیں

جذبۂ شوق نے کیا لمحۂ نوری پایا
شور پر نظم کا چابک ہے جدھر دیکھتے ہیں

حال پر بوجھ ہمیشہ سے رہا فردا کا
جبر کی آنکھ سے آہنگِ قدر دیکھتے ہیں

آپ باقی ہے تو خوددارِ دوئی باقی ہے
دیکھنے والے انہیں اُن کی نظر دیکھتے ہیں

وحدتِ فکر نہیں وحدتِ نظارہ نہیں
عین ویرانے میں بیٹھے ہیں تو گھر دیکھتے ہیں

زہے پیوستہ نگاہی کی حمیّت عازمؔ
نہ اِدھر دیکھتے ہیں ہم نہ اُدھر دیکھتے ہیں

دل بر سبیلِ جان ہو ، جاں باکمال ہو
آجائیے کہ رونقِ محفل بحال ہو

بے اعتلائے فرق نہیں اجتماعِ تاج
غیرت جواب ہے جہاں عزت سوال ہو

ٹوٹے طلسمِ تیرہ دلی و فرِ نور سے
لفظوں کی سلطنت سے بریں قیل وقال ہو

دشوار ہے مشاہدہ ، گفتار ناتمام
اظہار میں اگرچہ وفا کا خیال ہو

تاریکیوں کو نور ہے پھر نور نور کو
بیداغ ہو فراق سے جب بھی وصال ہو

شوق اپنی منزلوں میں ہے بے درجہ بے مقام
ممکن ہے سال لمحہ کبھی لمحہ سال ہو

وحدت میں زرق برقِ مسافت سراب ہے
صدیاں عدیم لمحہ اگر مالا مال ہو

عازم ازل ابد کی حدیں عین ہیچ ہیں
جب لمحہ نور نور اٹل لایزال ہو

تجھکو دیکھا نہیں زمانہ ہوا
دل کو ہر لمحہ تازیانہ ہوا

بِن ترے کوئی انتظام نہیں
گھر ہوا نہ کوئی گھرانہ ہوا

تیری بالا صفات نظروں سے
جو گرا ہے کبھی کھڑا نہ ہوا

زندگی کیا ہے تُو ہی جب نہ ملا
جینا مرنے کا اک بہانہ ہوا

مردہ آئے چلے گئے مردہ
کہیں آنا کہیں نہ جانا ہوا

کچھ نہ ہونے پہ جو ہوا سو ہوا
کچھ ہوئے پر اگر ہوا نہ ہوا

نور سے لمحہ بھر کی محرومی
مرد کے منہ پہ تِل زنانہ ہوا

ایک پل التفاتِ جانانہ
مٹ گئیں صدیاں دل یگانہ ہوا

ماورا ہے نگاہِ مردانہ
کچھ ازل تا ابد خِفا نہ ہوا

مرد زندہ و قائم و قیّوم
جاودانہ سے جاودانہ ہوا

لمحۂ لا یزال سے روشن
ذات سے ذات کا ٹھکانہ ہوا

مرد یکتا ہے مصطفائی سے
خود سے آیا نہ خود روانہ ہوا

جسے باقی نے کر دیا باقی
کبھی باقی سے وہ جدا نہ ہوا

کچھ بھی ہو ''کچھ'' سے ماورا ہے خدا
اور ''کچھ'' اُس سے ماورا نہ ہوا

ماورا سے ہے ماورائے مرد
بیکرانہ سے بیکرانہ ہوا

بندۂ غوثِ اعظم عازم ہے
نور سے نور کا خزانہ ہوا

روشنی نور میں ڈھل جاتی ہے
بات سے بات نکل آتی ہے

ذکر میں ضبط کہاں ممکن ہے
بات منہ آئی نکل جاتی ہے

لمحہ منظر میں اتر آتا ہے
دل کھلے آنکھ بھی مُسکاتی ہے

حرص میں جرأتِ پیوستہ نہیں
ناچ اغیار کے نچواتی ہے

خوف سے رنگ کی حرکت بھی گئی
سانس آتی ہے پلٹ جاتی ہے

ہم بھی کیا لمحوں کا رکھتے ہیں حساب
دن گذر جاتا ہے رات آتی ہے

شام کا ٹھنڈا سفر دیکھ لیا
چاندنی دھوپ کو بہلاتی ہے

لہو سودا بھی ہے کچھ تو عازم
رگ پھڑکتی ہے تو بھرماتی ہے

زباں لفظ در لفظ تقسیم رُو
تصوف عمل ہے نہیں گفتگو

عمل آرزو ہے عمل جستجو
عمل کیا ہے مطلوب **لَاتَقْنَطُوا**

عمل بے نیازِ فسونِ جہات
عمل عین آزادیِ رنگ و بو

عمل کیلئے ہے مقدر حیات
عمل کے تصرف میں ہے جَاھِدُوا

عمل وصل ہے بے گمانِ فراق
عمل اصطفائے ملاقاتِ ھُو

عمل بحث و تمحیص سے ماورا
عمل ہو بہو لفظ پابندِ خُو

قرینوں میں گفتار کی سرخیاں
مُشاہِد کو کرتی ہیں پابندِ سو

مُشاہِد نہیں جو اُسے کیا خبر؟
تصوف میں کیا گفتگو کی ہے بُو

تصوف ہے کیفیتِ اہلِ دل
بہت تنگ ہے حیطۂ گفتگو

نہیں قال کو حال پر دسترس
سمندر ہے حال اور قال آبجو

تصوف فنا و بقا ، ماورا
تصوف نہیں تُو سے مَیں ، مَیں سے تُو

تصوف ہے اخلاق و وحدانیت
محبت کی وحدت وفا آبرو

محبت کہ پیمائشوں سے ورا
نمو در نمو ہے علو در علو

علو بے حد و بے حساب و مثیل
ہوا جامۂ قال بے تار و پو

عمل کر کہ ہے گفتگو گمرہی
فقط ذہنی ورزش خُلو در خلو

سمجھتا ہے صوفی ہی صوفی کلام
ندا کو نِدا ہے گلو کو گلو

وجودی ؟ شہودی ؟ تجھے کیا خبر؟
مشاہد نہ ہے ذات با ذات تُو

بس عازم عمل کر تکلم نہ کر
تصوف عمل ہے نہیں گفتگو

لفظوں کی ذات پات سے ظاہر نہیں ہوں میں
بندہ ہوں اپنے غوث کا شاعر نہیں ہوں میں

ہر شان اپنی شان ہوں ہر آن اپنی آن
مبہم نہیں ہوں طرحِ مناظر نہیں ہوں میں

درجہ نہیں مقام نہیں مرتبہ نہیں
خوشحال ہوں کہ حال سے قاصر نہیں ہوں میں

سرتاجِ وسعتِ دلِ پیوستہ ساز ہوں
حالات کی زمین پہ دائر نہیں ہوں میں

اپنی تراش میں نہیں تصویر غیر کی
پیمودہ راستوں کا مسافر نہیں ہوں میں

خلوت کی دید پر مری جلوت نہیں شہید
غائب کے رقص ناچتا حاضر نہیں ہوں میں

ہر تول میں ہے مال کی گنجائشوں کو حال
قیمت کی بیوفائی کا تاجِر نہیں ہوں میں

اُسکا ہوں اُسکی چاہ ہے بے پردۂ سوا
تقریب کے کھلونوں پہ صابر نہیں ہوں میں

ٹھہری ہیں ہاتھ ہاتھ عوالم کی رونقیں
مولا کی شان غیر کی خاطر نہیں ہوں میں

بندہ ہوں اپنی شان میں ہر بندگی کیساتھ
عابد نہیں ہوں زاہد و ذاکر نہیں ہوں میں

عازمؔ زبسکہ بندۂ غوثِ عظیم ہوں
کہنے کی بات کہتا ہوں شاعر نہیں ہوں میں

قصیدہ

بحضور سیدنا امام ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

توسنِ فکر چمکتا ہے بتقدیسِ قدم
رفعتِ شوق نے کھولا ہے وفا کا پرچم

فوج در فوج خیالات بجولانِ یقیں
لفظ و آہنگ صف آرا ہوئے شایانِ قلم

نوبتِ فتح بہ تسخیرِ مقامات ہوئی
عرش آرائے ولایت ہوئے قطبِ عالم

فاضل الدین ـــــــ امام و ولدِ غوثِ عظیم
صُلب در صُلبِ متیں آلِ رسولِ اعظم

نیّرِ آبادِ حسین و حسنِ رخشندہ
نور پروردۂ زہرا و علیِ اکرم

فقہ کی شان، شریعت کا بھرم، دیں کا شرف
فخرِ ملّت، دمِ تجدید، امامت کا علَم

مخزنِ معرفت، آماجِ طریقت بدوام
مہبطِ سرِّ عُلا، نائبِ غوثِ اعظم

بہجتِ فقر، درخشانِ عباداتِ شبی
رونقِ زہد بتقوائے وفائے پیہم

ہوش و مستی کا مکیں، نعمتِ عظمیٰ کا امیں
خاتمِ صدق و محبت، ادبِ قلبِ اتم

نفی و اثبات کا دانائے فریدِ واحد
احدیّت میں فنا اور بقا کا محرم

زندہ گردیدہ بفیضان و عطایش پنجاب
وز حیاتش شدہ آباد بلادِ عالم

سینہ در سینہ فروزید و فروزد ایماں
آفتابے کہ درخشید و درخشد پیہم

کفر بشکست و سرافرازیِ اسلام بساخت
رفعِ اضداد بورزید بتقریرِ حرم

چھٹ گئیں آندھیاں، شفاف فضائیں مہکیں
مٹ گئیں ظلمتیں، روشن ہوئے ایام بہم

کٹ گیا لشکرِ ابلیس، زبوں نفس ہوا
جم گئی رونقِ بازارِ فتوت جم جم

انقلاب ایسا ہوا ظاہر و باطن پھیلا
آیۂ نورِ اَلَـــــمْ نَشْـــــرَحْ ٹھہری مبرم

فاضلِ فاضلاں! یہ شان مبارک تجھ کو
اَے کہ تُو آیۂ اعجازِ کتابِ محکم

تیری اک نگہِ عطاکار و جناں آرا سے
علم و عرفان کے جاری ہوئے کیا کیا قلزم

اور زبانِ گہر افشان و دلِ روشن سے
زیبِ قرطاس ہوا شیریں کلامِ ملہم

عبقریّت کا وہ لاثانی نظامِ خیرات[1]
قادریّت کا نصاب، اوجِ عباراتِ حکم

بوالفرح جس سے لقب بارگہِ غوث سے ہے
شہرِ اسرارِ حقیقت، درِ توفیقِ اعم

زنگ خوردہ دلِ مردہ کا حقیقی صیقل
تیرا لاریب ابد آئینہ فیضانِ کرم

ماورائیّتِ بے مثل کا بیّن آہنگ
بے چگونیّتِ انسان کا فرہنگِ اہم

[1] خیرات القادر از امامِ کبیر ابوالفرحؒ کی طرف اشارہ ہے۔

آبروئے دلِ مستاں وہ بیــان الأسـرار[2]
قادریّت کا دھرم ، شرحِ بلیغ و اتم

حرف در حرف رموز اور حقائق کی جلا
نقطہ در نقطہ اشاراتِ مبینِ مبہم

تیری تصنیفِ عدیم المثل اے قطبِ کبیر
لفظ در لفظ ہے تعبیرِ مُحِب کا مَعلم

اصمعیّت میں وحید ، احوذیت میں واحد
وحدتِ حق کی صراحت میں حدیثِ احکم

لوذعیّت کی دلیل ، المعیت پر شاہد
تیرے عرفان و معارف کا یقینی زمزم

2 بیان الأسرار امام صاحب کی تصنیفِ لطیف ہے جو قصیدہ غوثیہ کی سب سے بڑی شرح اور اپنی مثال آپ ہے۔

پھر یہ لمعات[1]، یہ گلزار[2] و کنوز القادر[3]
کشورِ کشف و کراماتِ جلی کی خاتم

ایمنِ نخبۃ الاخیار[4] و فتوح القادر[5]
مسندِ رشد و ہدایت بہ تجلّائے حرم

الغرض نور وثیقے تری تحریریں ہیں
علمِ باطن کے صحیفے ہیں محبت سے رقم

داورِ ملکِ ہنر! خاورِ اقلیم اثر!
مجھ سے ناقص میں کہاں ہے تیری تحسین کا دم

تیرا فیضان ہمیشہ رہے جاری ساری
میرا یہ ہدیہ ہو مقبول بہ نگہِ اکرم

1 تا 5 سب حضرت امام ابوالفرحؒ کی کتب کے نام ہیں۔

شعر بافی میرا مقصود نہیں ہے واللہ
ربط کی بات ہے مربوط بربطِ باہم

شاعری چیست ؟ ندانم ، بگشایم قلبم
جاں بریزم کہ منم بندۂ غوثِ اعظم

وا واہ کیا تماشا ہے دیکھا نہ جائے ہے
دم بھر اٹھا نہ جائے ہے بیٹھا نہ جائے ہے

آئینِ غیرِ پرزۂ کاغذ نہ کچھ ہوا
جلتی ہوا میں حسن سنبھالا نہ جائے ہے

لذت نے گوش و قلب و زباں بند کر دیئے
غدّاریوں کا طوق اتارا نہ جائے ہے

احوال پر گرفت نہیں حسبِ واقعات
کیا کیا کِیا گیا ہے، کِیا کیا نہ جائے ہے

کیا حد پڑی زبان کی دل اور آنکھ پر
دیکھا لکھا پڑھا ہوا بولا نہ جائے ہے

اٹھتی ہے آنکھ دورِ ہوا کے ہر آج پر
ٹوٹے دلوں سے بوئے دلاسا نہ جائے ہے

نسبت سے ہیں قیام کی گنتی میں مدتیں
امروز کے حساب سے فردا نہ جائے ہے

ہر چند ہے مقام پہ صورت کا اعتبار
آئینہ دیکھتے ہیں دکھایا نہ جائے ہے

عازم نظامِ گوش پہ پہرہ ہے آنکھ کا
خاموشیوں کی بات کا چرچا نہ جائے ہے

ہر سانس لگا رہتا ہے آشوب کا ڈر بھی
اک آنکھ نہیں دیکھتے اربابِ نظر بھی

ہر وسعتِ آغاز پہ انجام کی حد ہے
آ پہنچی ہے گر شب، تو نہیں دور سحر بھی

تُلنیں ہی لگیں دہشتیں میزان میں آخر
نیلام سرِعام ہوئے جسم بھی سر بھی

نَے رونقِ جذبات نہ تمکینِ خیالات
ہونے کو تو گھر ہوتے ہیں اجڑے ہوئے گھر بھی

بے حصر نہ تقدیم نہ تاخیر کی لذت
دیوار کی تاثیر میں ہے شوکتِ در بھی

بدلے تو بھلا کونسا پہلو کوئی بدلے
بے سمت دباؤ ہے اِدھر کو بھی اُدھر بھی

اک سلسلۂ دل ہے نہیں ٹوٹنے پاتا
آئی تھی ابھی فطر کہ گذری ہے بقر بھی

بنتی نہیں آنکھوں میں کوئی صورتِ پرواز
ہاتھوں میں پرندہ بھی لیے بیٹھے ہیں پر بھی

سانسوں پہ طمانچے رہے سانسوں کی بلا کے
مٹی میں نہ باقی رہا مٹی کا اثر بھی

ہر شرط پہ اک ہاتھ کی گرمی کا صلہ ہے
تمثیل کے کردار ہیں سب شمس و قمر بھی

کس دھوپ کی سنگت میں ہوا تیز چلی ہے
سہمے ہوئے اشجار بھی ہیں برگ و ثمر بھی

جذبوں کی مسافت سے رفاقت کا سفر تھا
ویران مسافر بھی ہوئے راہگذر بھی

انبوہ سے خنّاس کے جادو نہیں ٹلتے
کافی ہے اگر پاک ہیں دو چار نفر بھی

مایوس نہ ہو، دیر ہے اندھیر نہیں ہے
اٹھی ہے اگر آہ تو ابھریں گے شرر بھی

دشوار نہیں کچھ بھی صداقت کے جلو میں
طوفان جب اٹھتے ہیں بکھرتے ہیں بھنور بھی

سنگت کی حرارت پہ ہے اقدار کی قیمت
بکتے ہیں کبھی مٹی کے بھاؤ میں گہر بھی

جرأت کو ہماری نہیں غیرت کا توازن
ہر سمت سے محروم بھی ہیں خاک بسر بھی

صورت ہے علامت، نہیں ملزوم معانی
لازم نہیں انسان ہو ہر ایک بشر بھی

گردش کے نہ پہچان برابر ہوئی نوبت
دن رات کی صحبت میں کٹے پل بھی پہر بھی

بے فکرِ نفَس کچھ نہیں ترتیب میں آتا
ڈرپوک تو ڈرتا ہے بِدکتا ہے نڈر بھی

کچھ فرق ہی ایسا تھا دمِ خواہش و تکمیل
اک سر ہی نہیں خم ہوا، ٹوٹی ہے کمر بھی

جنبش کو ضروری ہے محرک کی حرارت
ماحول کی گرمی میں نکھرتا ہے ہنر بھی

کیا خیر و شرِ جادہ جو منزل کو نہ پہنچے
مقصود نہ پایا تو عبث نفع و ضرر بھی

جو لطف کہ ہونے میں ہے کرنے میں نہیں ہے
بے واقعہ موہوم ہے مخبر بھی خبر بھی

غربت کی ہوا دل کو ٹھہرنے نہیں دیتی
باسی بھی لہو آگ میں ہے ملک بدر بھی

آواز تو ہر حال میں اٹھتی ہی رہے گی
زندہ ہیں اگر شہر میں دو چار نفر بھی

عازم کسی منظر نہیں آنکھوں کو فراغت
تسکین کی عادات میں ہیں خوف و خطر بھی
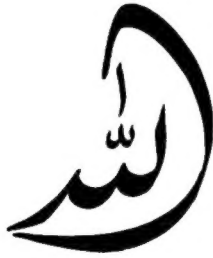
عالم آرائیِ تمکینِ مکاں دیکھیں گے
رنگ کی شان میں بے رنگِ زماں دیکھیں گے

پھیلتے دائرے دورانِ گماں دیکھیں گے
چاندنی اوڑھ کے سورج کا سماں دیکھیں گے

آ گئے ہم تو تماشائے جہاں دیکھیں گے
کہاں بجھتی ہے، بھڑکتی ہے کہاں، دیکھیں گے

قربتیں سینچ کے نظّارۂ جاں دیکھیں گے
سیج کے سائے جہاں بیٹھے وہاں دیکھیں گے

ہرے گجروں میں لہو کی مہک آئی کیونکر
محفلِ رنگ میں تحسینِ جناں دیکھیں گے

خامشی رنگِ تسلسل میں ہری ہوتی ہے
بے زبانوں کی زباں حسنِ بیاں دیکھیں گے

چند لفظوں میں لہو کی نہیں بنتی صورت
آگ برساتی ہوئی طبعِ رواں دیکھیں گے

قیمتیں لگ چکیں، بازار کے حیطے نہ گئے
قدم اٹھتے ہی سرِ سود و زیاں دیکھیں گے

ٹوٹ کے رنج سے گرتے ہیں تجاوز کے حرم
ہاتھ سے ہاتھ لگی تاب و تواں دیکھیں گے

لاوا پکتا ہے تو بھونچال اٹھا دیتا ہے
قہقہوں پر اثرِ آہ و فغاں دیکھیں گے

بوند کی کھاٹ پہ بہتے نہیں دریا عازمؔ
گاہک آئیں گے اگر بستِ دکاں دیکھیں گے

کشف المحجوب، وقتِ حاضر اور جائزہ
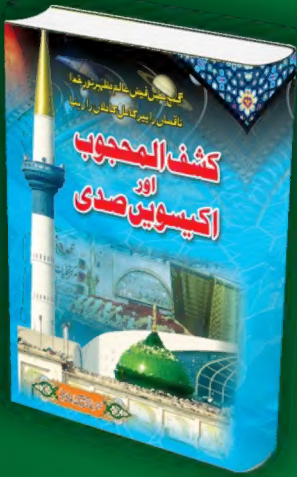
کچھ سال پہلے کشف المحجوب کا ایک اُردو زبان میں نسخہ بہت شوق سے خریدا تاکہ اس جدید دور میں بھی ایک ایسی نافع کتاب کا مطالعہ خیر کا باعث بن سکے۔ جو زبان و بیان میں نثر کا درجہ رکھتی ہو لیکن پوری کتاب پڑھ ڈالنے کے بعد بھی بہت سے اسرار و رموز ایسے تھے جن سے پردہ اُٹھانے کے لیے غیر معمولی ذہانت اور وسیع علم کا ہونا بہت ضروری امر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عام علم اور احساسات و محسوسات کے حامل انسان کے لیے کشف المحجوب پڑھنا تو شاید آسان ہو مگر اس کے اندر پوشیدہ ایک جہان کو کھوجنا عام انسان کے بس کی بات ہرگز نہ تھی۔ تب مجھے "کشف المحجوب اور اکیسویں صدی" پڑھنے کا موقع ملا گویا میرے دل کی مراد بر آئی۔ اس مختصر مگر جامع متن کی حامل اپنے آپ میں مکمل کتاب نے جیسے کشف المحجوب کے مشکل اسرار و رموز عام فہم کر دیے۔ مصنف محمد امین عازم بیگ قادری جیسی گراں قدر اور چلتی پھرتی یونیورسٹی کا درجہ رکھنے والی شخصیت نے کشف المحجوب کی گویا نہ صرف تلخیص کر دی بلکہ اصل نسخے کی خوبصورتی کو بھی چار چاند لگا دیے۔ میری ذاتی رائے میں ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا از حد ضروری ہے۔ خاص طور پر نوجوان نسل کے لیے بحیثیت مسلمان اور اچھا انسان بننے میں یہ کتاب بے حد نافع ہے۔ کمپیوٹر اور ذرائع ابلاغ کے اس تیز رفتار بے ہنگم دور میں اپنے دین پر قائم رہنا اور اپنے اسلاف کو پہچاننا بے حد ضروری ہے۔ لہٰذا یہ تلخیص نما کتاب حضرت عازم بیگ قادری کے لیے صدقہ جاریہ کا درجہ رکھتی ہے۔ جنہوں نے ہر عمر اور علم کے ہر درجے کے انسان کے لیے کشف المحجوب تک رسائی کو ممکن بنایا اور اس کی تعلیم کو نہ صرف بڑوں بلکہ بچوں کے لیے بھی آسان پیرائے میں منتقل کر دیا۔ اللہ جل شانہ محمد امین عازم بیگ قادری صاحب کو دین کی اس راہ پر قدم بہ قدم کامیابی و کامرانی عطا فرمائے اور وہ یونہی بنی نوع انسان کو آسانیاں بانٹتے رہیں۔ (آمین)

عافیہ مقبول جہانگیر
(سب ۔ایڈیٹر) اُردو ڈائجسٹ

امتِ مسلمہ میں امن و آشتی اور اتحاد کی حقیقی و دائمی فضا پیدا کرنے کی سنجیدہ کاوش اور اس کے ذریعہ سے قومی و بین الاقوامی سطح پر ہمہ گیر انسانی معیارات کی بحالی و برقراری کے لیے روحِ اسلام یعنی تصوف کے زندہ اصولوں کی اشاعت۔